غزل یاسر ملک

محبت کی ڈھنگ اور ڈگر

اس سرخ مضبوط اینٹوں سے بنی اونچی پرانی طرز کی بوگن ویلیا کے درمیان گھری حویلی کے کچے بڑے سے صحن میں جہاں اردگرد خاصی تعداد میں پھل، پھول اور مختلف سبزیاں کثرت سے لگی ہوئی کسی کھیت کا منظر پیش کر رہی تھیں، اس کے مغربی حصے میں لگے نیم کے درخت کے نیچے بے جی اپنا ہاتھی دانت کا بنا مضبوط پائے والا تخت بچھائے، براق گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے سر پر سفید چادر اوڑھے تسبیح میں مصروف تھیں۔

جب کہ ان کی دونوں بہوئیں دلشاد بیگم اور سلطانہ بیگم لائن سے صحن میں رکھی چارپائیوں پر رکھے لحافوں کو تہہ کر رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں۔ صحن کے کونے میں بنے قدیم وجدید امتزاج کے کچن میں مشعال ہل ہل کر آٹا گوندھتی ناجیہ کو آملیٹ گول بنانے کی ترکیب سمجھا رہی تھی جب کہ حنان مسلسل جلتی مشعال کو بیچ میں مختلف ہدایات دے کر غصہ دلانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا کچن کے سنک پر

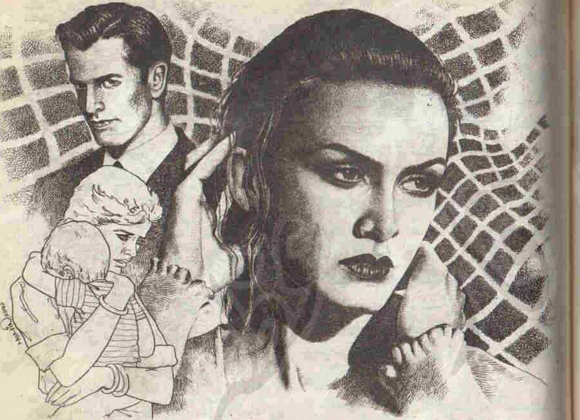

ناولٹ

برتن دھوتی ماسی نوراں مسلسل کوئی ٹپہ گنگنا رہی تھی، جب اچانک ہی عمید مبین کے اونچے مضبوط سراپے کو سامنے دیکھ کر سب وہیں تھم گئے تھے۔

"بھائی! چاچا اور ابا جی کو بلائیں۔ ناشتہ تیار ہے۔" مشعال نے جلدی سے کہا۔

"وہ دونوں اندر کمرے میں انتظار کر رہے ہیں اور مجھے آملیٹ تم بنا کر دینا۔" توے پر ڈالے ملغوبے کو دیکھ کر اس نے مشعال کو ہدایت دی تو ناجیہ کا منہ لٹک گیا۔ اور حنان کی باچھیں کھل گئیں۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے بھائی نہیں کھائیں گے تو تم کھاؤ گے۔" ناجیہ کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی۔

"مجھے خبر ہے کہ مجھے تازندگی خوشبو دار گول اور پیارا آملیٹ ہی ملے گا۔"

حنان نے مسکراتی نظریں سگھڑ مشعال پر ڈالیں جو جلدی جلدی پراٹھے بنانے میں مصروف تھی۔

"ارے مشعال! ناجیہ! جلدی ہاتھ چلاؤ بھائی جی اور تمہارے ابا جی انتظار کر رہے ہیں۔ لسی نمکین بنانا، عمید پتر کے لیے۔" دلشاد بیگم اپنا بھاری بھرکم وجود سمیٹتی آئیں تو دونوں کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے ماسی نوراں نے دوبارہ کوئی ٹپہ شروع کر دیا جب کہ حنان بھی اس کا ساتھ دینے کی کوشش کرنے لگا۔

"حنان! خوامخواہ عمید بھائی سے ڈانٹ مت کھا لینا۔ اندر جا کر بیٹھو۔" مشعال نے اس کی تیز آواز پر ٹوکا۔

"ان کا سنجیدہ اور خوف (خوب) صورت چہرہ دیکھنے

سے کہیں درجہ بہتر ہے کہ میں تمہاری پیاری۔۔۔"

"حنان فضول باتیں مت کرو اور یہ پراٹھے اندر لے کر جاؤ۔" اس سے پہلے کہ وہ ناجیہ اور ماسی نوراں کے سامنے کچھ الٹا سیدھا بولتا' مشعال نے جلدی جلدی توے سے سرخ سنکے ہوئے پراٹھے چنگیر میں ڈال کر اسے تھمائے۔

"جانے یہ عبید بھائی کب سہرا سجائیں گے' جو ہمارا نمبر آئے۔ پچھلے سات سالوں سے منگنی پر ٹرخا رکھا ہے۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے چنگیر لے کر اندر کمرے کے سمت بڑھ گیا' جہاں سب بیٹھے ہوئے جانے کون سے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے۔

"میرے پتر کی لسی۔۔۔؟" دلشاد بیگم نے سوالیہ نظریں اٹھائیں کہ "پتر" کے مزاج سے سب ہی واقف تھے۔

"لا رہی ہے ماسی نوراں' بیٹا میں بھی ہوں آپ کا مگر۔۔۔" باہر دروازے پر زوردار دستک کی آواز نے اس کا شکوہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اتنی صبح زوردار دستک پر بے جی نے "رب خیر کرے" کہہ کر دل پر ہاتھ رکھا۔

"اس ویلے کون آگیا۔۔۔ جاؤ بیٹا دیکھنا۔۔۔" مبین احمد نے حنان کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے دروازہ کھولنے چلا گیا۔

"ابا جی۔۔۔! چاچا جی! جلدی آئیں' دیکھیں کون آیا ہے۔" وہ لوگ حنان کی آواز پر جلدی سے باہر لپکے۔ بے جی نے بھی اپنے گھٹنوں پر زور ڈال کر اٹھنے کی کوشش کی تو عبید انہیں سہارا دیتے ہوئے باہر لے آیا' جہاں سب ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ مبین احمد اور مشتاق احمد تو اس شخص کو مضبوطی سے تھامے کھڑے تھے' حنان' ناجیہ' مشعال سب چہرے پر حیرت اور خوشی کے تاثر کے ساتھ گنگ کھڑی تھیں۔

"میرا فائق پتر۔۔۔!" اچانک ہی بے جی کی بوڑھی آنکھوں میں شناسائی اور محبت کی چمک آنسوؤں کی صورت ابھری اور وہ تیزی سے آگے بڑھیں مگر اس سے پہلے ہی وہ شخص' مبین احمد اور مشتاق احمد کو چھوڑ کر بے جی کی بوڑھی لرزتی بانہوں میں تیزی سے سما گیا تو عبید کو ایک لمحہ لگا تھا انہیں پہچاننے میں' ان کے ساتھ ایک مغربی وضع قطع کی حامل لڑکی بھی تھی جسے حنان' ناجیہ اور مشعال کچھ حیرت سے تک رہے تھے' وہ خاموش کھڑی سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔

"میرا بچہ' میرا پتر' اتنے برسوں بعد شکل دکھائی۔ میری تو آنکھیں تھک گئیں تیرا راستہ دیکھتے دیکھتے۔"

بے جی برسوں پہلے امریکہ سدھارے اپنے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کو گلے سے لگائے ہچکیاں لے رہی تھیں۔

"بے جی۔۔۔ بے جی اب میں آگیا ہوں آپ کے پاس۔۔۔ اور یہ میری بیٹی ہے۔ ایمی! ادھر آؤ۔"

کونے میں شولڈر بیگ ہاتھ میں تھامے کھڑی وہ لڑکی خاصی خود اعتمادی سے آگے آئی مگر اس سے پہلے ہی ان کی نظر عبید پر گئی۔

"السلام علیکم چاچا۔۔۔!" اس نے فوراً آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا اور ان کے گلے لگ گیا انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوما۔

"یہ میری بیٹی ہے انشال! میں ایمی کہتا ہوں' ایمی! یہ عبید ہے' مبین بھائی کا بیٹا۔"

انہوں نے اسے گلے لگاتے ہوئے اپنی بیٹی کا تعارف کروایا۔ بلیک جینز پر ہاف سلیو شرٹ بغیر کسی دوپٹہ یا اسکارف کے ذرا نہ بھائی تھی' جب کہ فائق چاچا اب حنان' ناجیہ اور مشعال سے اس کا تعارف کرواتے اس کی سمت آئے۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" اس نے اپنا دودھیا بازو اس کے آگے کیا حنان نے ہاتھ ملا کر کے بڑی خوش دلی سے جواب دیا۔

"می ٹو۔۔۔" بغیر ہاتھ آگے بڑھائے عبید نے مہمان سمجھتے ہوئے جواب دیا جب کہ دل چاہ رہا تھا کہ اسے ابھی گھر سے باہر کر دے۔ مگر سلطانہ بیگم اس کو اپنے ساتھ لگائے اندر کی طرف بڑھ گئیں اور ساتھ ہی

مشعال' حنان اور ناجیہ بھی چلے گئے۔

"اتنے عرصے بعد فائق۔۔۔" مشتاق احمد نے خوشگوار انداز میں بھائی سے سوال کیا جب کہ بے جی گم صم پوتی کا حلیہ ملاحظہ کر رہی تھیں۔

"بس بھاء جی! اپنی مٹی میں بڑی کشش ہے' اس خوشبو نے ہمیشہ بے چین رکھا۔"

"جب ہی ساری جوانی گزار آیا پرائے دیس میں۔" بے جی نے کنپٹیوں سے سفید ہوتے بالوں پر نظر ڈالی۔

"چھوڑیں بے جی پرانی باتوں کو' آؤ سب اندر بچوں کے پاس چلیں۔" مبین احمد سب کو لیے گول کمرے کی طرف بڑھ گئے' جہاں اب وہ سب بیٹھے ایمی کا انٹرویو کر رہے تھے۔ اور وہ مسکراتے ہوئے جواب دے رہی تھی۔

فائق تو اس کی بائیس سالہ زندگی میں پہلی بار اس دور افتادہ گاؤں میں اپنوں سے ملوانے لے کر آئے تھے۔ اور وہ بھی اپنی مما کی سرزنش' ہیرس کے روکنے اور مارٹن کے ڈرانے کے باوجود صرف اور صرف اپنے پیارے ڈیڈ کی محبت میں ان سب کو نظرانداز کرتی پاکستان آنے پر رضامند ہو گئی تھی۔ مگر ڈیڈ کے الفاظ سن کر اس کی سماعت میں جیسے خوفناک دھماکے ہونے لگے تھے وہ جو پڑھی لکھی گرین کارڈ ہولڈر' سمجھدار اور بااعتبار لڑکی تھی اپنے ڈیڈ کے ہاتھوں یوں دھوکا کھا جائے گی وہ تو سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھی اور اب صرف ایک رات اور دن گزارنے کے بعد اپنے دوستوں اور مما کو صحیح سمجھتے ہوئے یہاں آنے کے فیصلے پر پچھتا رہی تھی۔

فائق احمد جو نرم خو' ہمدرد اور ملنسار تھے یکدم بدل گئے تھے ان کا رویہ یہاں گاؤں کی سنگلاخ پتھریلی حویلی میں آکر' حویلی جیسا ہی ہو گیا تھا۔ وہ جو ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھنے والے' اس کی بات ماننے والے' پیارے سے دوست تھے یہاں ایک دم سخت جابر اور روایات کے پابند صرف اور صرف ایک روایتی باپ کی طرح اس سے برتاؤ کر رہے تھے۔

وہ حیران پریشان اپنی پوری آنکھیں پھیلائے "ڈیڈ" کا سخت گیر انداز دیکھتے ہوئے بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"it is not fair ڈیڈ! یہ زیادتی ہے۔" اس نے ہمت کا دامن پکڑتے ہوئے کہا۔

"بس' It is my decisi on" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولے۔

"پلیز ڈیڈ! میں یہاں ساری زندگی نہیں رہ سکتی۔ امریکہ جیسے ملک میں ساری عمر گزار کر آپ مجھے اس گاؤں میں پھینک رہے ہیں۔ جہاں آئے آج مجھے دوسرا دن بھی نہیں ہوا ہے۔" باہر اچانک مہمانوں کی فوج دیکھ کر وہ دہل گئی تھی۔

"میں پھینک نہیں رہا ہوں' تمہاری شادی کر رہا ہوں۔ عبید میرا بھتیجا ہے مگر اس نے فوراً" بے جی کے آگے سر جھکا دیا اور تم میری بیٹی ہو کر مجھے ذلیل کر رہی ہو۔" وہ دھاڑے۔

"آپ میرے مزاج کو جانتے ہیں ڈیڈ۔۔۔ اور عبید۔۔۔" اس کے سامنے ساڑھے چھ فٹ قد کے اونچے لمبے کسرتی مضبوط جسم کے کرخت اور بھاری آواز والے عبید کا اکھڑ سراپا لہرا گیا' جس نے اسے "ہیلو" کا جواب تک نہ دیا تھا بلکہ ناگواری سے اس کو اوپر سے نیچے تک دیکھ کر زیر لب کچھ کہا تھا۔ اسے اردو خاصی اچھی آتی تھی مگر اس کی گھنی مونچھوں تلے ہونٹ ہی ہلتے نظر آئے تھے۔

"تمہارا مزاج جانتے ہوئے ہی تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم میری بات نہیں ٹالو گی۔ امریکہ کے حالات' ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا واقعہ اب وہاں تمہارا رہنا آسان نہیں ہے۔ تمہاری مما کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اب وہاں مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو گا۔۔۔؟ مگر تم یہاں محفوظ ہو۔" جانے کون کون سے خدشے تھے ان کے ذہن میں جو وہ اپنے فیصلے سے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔

"ڈیڈ! میں وہاں پر بھی محفوظ ہوں۔ ہیرس میرا فرینڈ ہے' اس نے کچھ کہا کبھی؟ مارٹن کے اسٹور پر میں کتنے

سال سے ہوں، کبھی کچھ ہوا؟ اور چھوٹے چھوٹے واقعات تو ہوتے ہی ہیں، وہاں تو سیاہ فام کو بھی نہیں بخشتے، جب کہ ملک ان کا ہی ہے۔"

اس کے پاس دلائل کی کمی نہ تھی۔

"میں تمہارا باپ ہوں امی! اور اگر تم نے مجھے بے جی اور بھاء جی کے سامنے شرمندہ کروایا تو میں کچھ کھا کر ہمیشہ کے لیے سو جاؤں گا۔" وہ تو عام پاکستانی باپ کی طرح دھمکیوں پر اتر آئے۔

"اور سارہ مما! ان سے تو بات کرلیں ورنہ وہ خفا ہوں گی۔" آخری کوشش کے تحت اس نے "مما" کا جال بچھایا۔

"مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کردی۔

وہ ہاتھ مسلتی پلنگ پر بیٹھ گئی۔ یہاں وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی، کچھ کر نہیں سکتی تھی اور بہرحال ڈیڈ اسے سارہ مما، سے زیادہ عزیز تھے، کیونکہ سارہ مما کو وہ خود آٹھ سال پہلے اپنے ڈیڈ کے لیے پسند کرکے لائی تھی اور ڈیڈ پچھلے بائیس سالوں سے اس کی پرورش کررہے تھے، اپنی ماں تو اسے صرف دس سال کا چھوڑ کر ہمیشہ کی نیند سوگئی تھی۔ ڈیڈ ہی تھے جنہوں نے امریکہ جیسے مادر پدر آزاد معاشرے میں رہ کر اس کی پرورش کی تھی، اس نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔ اسے نہیں یاد کہ آج سے پہلے انہوں نے کبھی اس پر اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش کی ہو یا اونچی آواز میں بات کی ہو۔

❊ ❊ ❊

مرد ہو یا عورت تصور میں اپنے لائف پارٹنر کے لیے ایک آئیڈیل خود بخود تراش لیتا ہے۔ اور تصور کی اس رنگین دنیا پر اس طرح کالی سیاہی بکھر جائے تو سوائے ہاتھ ملنے اور افسوس کرنے کے کچھ بچتا ہی نہیں۔

وہ بھی کتنی دیر سے خاموش سر جھکائے جینز اور شرٹ میں ملبوس بے جی کے اوڑھائے گئے گلابی ستاروں بھرے دوپٹہ میں بیٹھی اس ماڈرن لڑکی کو ناگواری سے دیکھ بلکہ گھور رہا تھا۔ جو گلے میں پڑے لاکٹ کو بے چینی سے گھما رہی تھی۔ اس نے تو کبھی اس "قسم" کی لڑکیوں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا کجا یہ کہ پوری زندگی پر محیط سفر کی باگ ڈور اسے تھما دیتا۔ مگر قسمت کی ستم ظریفی اس طرح بھی منہ کے بل گرا دیتی ہے۔

وہ بھی امریکہ پلٹ فائق چاچا کے سامنے تو نہیں البتہ ایک بیٹی کے باپ کے آگے جھک گیا تھا۔ ساتھ ہی بے جی اور ماں کے ساتھ ساتھ ابا جی اور مشتاق چاچا بھی راضی تھے تو وہ ان سب کو ناراض کرکے کب خوش رہ پاتا، سو خاموشی سے اس تماشے کا حصہ بن گیا تھا جہاں سب بڑے اور اس سے چھوٹے مگن سے انداز میں صحن میں انتظام کرنے میں مصروف تھے۔

"عمید بھائی! یہ ہار پہن لیں کچھ تو دولہا لگیں ایسی ایمرجنسی شادی کا تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

حنان نے خوب موٹا سا ہار اٹھا کر اس کے گلے میں ڈال دیا اس نے کچھ کہے بغیر دوسرے ہی لمحے ہار اتار کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"پلیز بھائی! یوں تو نہ کریں، دیکھیں بے جی کتنا خوش ہیں اپنی پوتی کو دیکھ کر۔" ناجیہ نے فوراً ٹوکا۔

"تم نے ان کی پوتی کو دیکھا ہے؟" نہایت کڑواہٹ لیے اس نے "پوتی" کی طرف اشارہ کیا۔

"اب کیا فائدہ بھائی! اب تو نکاح ہوگیا ہے۔" حنان نے بھی کچھ افسوس سے جینز اور شرٹ میں ملبوس اپنی بھابھی کو دیکھا مگر سب بڑوں کے فیصلے کے آگے وہ کیا کہہ سکتا تھا، ان کی تربیت ہی ان خطوط پر ہوئی تھی کہ بڑوں کا احترام واجب ہے۔

"میں تو سمجھی تھی کہ شاید یہ خود انکار کردے گی۔ مگر....." کب سے سر جھکائے مشعال نے بھی حیرت کا اظہار کیا مگر وہ کسی کی خوشی، حیرت یا افسوس کا کیا کرتا ایک ناپسندیدہ شخصیت کو ساری عمر کے لیے اس کے متھے مار دیا گیا تھا۔

"عمید بیٹا! وہ ہمارا خون ہے، اور فائق پتر کتنے سال بعد آیا ہے۔ مجھ سے انکار نہیں ہوگا۔ آگے تیری مرضی۔"

بے جی نے اس کو اپنے پاس بلا کر مدعا کہا تھا تو وہ بھی حیران رہ گیا تھا، کل جب وہ فائق چاچا کے ساتھ حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی تو وہ اسے دیکھ کر خاصا جز بز ہوا تھا۔ بلیک جینز کی چست پینٹ اور لائٹ پرپل کلر کی ہاف سلیولیس شرٹ پہنے اپنے شانوں تک کٹے بالوں کو مختلف انداز کے بینڈ میں جکڑے وہ اسے ایک آنکھ نہ بھائی تھی اور جب فائق چاچا نے اسے گلے لگا کر اپنی بیٹی کہہ کر تعارف کروایا تو اسے خاصا صدمہ پہنچا تھا۔

اسے کیا خبر تھی کہ یہ ناپسندیدہ ڈھول اس کے گلے پڑ جائے گا۔ اس کے تصور میں تو شرمیلی سی، نظریں جھکائے، لمبے بال اور سر پر دوپٹہ لیے ہوئے لڑکی کا سراپا تھا جو چھوئی موئی کی طرح ہو۔

بالکل اچانک ہی بڑوں نے فیصلہ کرکے محلے کے چند معززین کو بلا کر ان کا نکاح پڑھوا دیا۔

فائق چاچا نے اسے گلے لگا کر خوب پیار کیا۔ ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں جسے وہ بار بار جھپک رہے تھے۔

"میری بیٹی اب تمہارے حوالے ہے عمید! تھوڑی لاڈلی اور ضدی ہے، مگر بہت اچھی ہے تم میرا مان رکھنا۔" وہ کتنا ہی ناخوش سہی مگر بے حس نہیں تھا کہ ایک باپ کی نم آنکھوں اور التجا کو ٹھکرا دیتا۔

"چاچا جی! آپ کا مان توڑ کر میں خود اپنی نظروں میں گر جاؤں گا۔" اس نے ان کے ہاتھوں کو تھام کر انہیں دلاسا دیا۔

"ارے فائق! یہ میری اولاد نہیں تمہارا ہی بیٹا ہے، بے فکر رہو امتثال میری ناجیہ کی طرح ہے۔" مبین نے آگے بڑھ کر بھائی کو گلے لگایا۔ بے جی نے بھی کئی نوٹ دولہا دلہن کے اوپر سے نچھاور کرکے دونوں کو پیار کیا۔

"بھابھی! ہمارے یہاں مووی کا انتظام تو ہوا نہیں، صرف تصویروں پر ہی گزارہ کرنا پڑے گا۔"

حنان نے خاموش بت بنی امتثال کی کئی تصاویر اتار لیں، پھر مشعال اور ناجیہ اسے عمید کے کمرے کی طرف لے جا رہی تھیں۔ ماسی نوراں گلاب کی پتیاں نچھاور کرتی ساتھ تھی۔

"لو یہ منہ دکھائی میں بہو کو دے دینا۔" بے جی نے کرسی پر خاموش تماشائی بنے عمید کی طرف مخملی ڈبیا بڑھائی جو اس نے خاموشی کے ساتھ تھام لی۔

"پتر! وہ سب چھوڑ کر یہاں آئی ہے، یہاں کا ماحول اور وہاں کے ماحول میں مشرق اور مغرب کا فرق ہے، ذرا تو ہی ہولا بولنا بچے، آج بلکہ کچھ دیر بعد فائق دوبارہ چلا جائے گا۔"

"بے جی جب فرق جانتے تھے سب تو ایسا فیصلہ، وہ بھی اتنی جلد کیوں کیا۔ اسے اور مجھے دونوں کو سمجھنے کا موقع دینا چاہیے تھا۔" ہمیشہ وہ بے جی کے بروقت اور صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت کو سراہتا تھا مگر اب.....

"یاد رکھنا بچے! مشرق، مشرق ہوتا ہے۔ اس میں کشش ہے، جو خود بخود کھینچتی ہے اپنی جانب۔ مغرب بس مصنوعی روشنیوں کا گہوارہ ہے جہاں نظریں تو چکا چوند ہوتی ہیں مگر پاؤں بار بار الجھتا ہے۔ اور لڑکیاں تو کچی مٹی ہوتی ہیں، جیسا چاہو نرم مٹی کو ڈھال لو۔" بے جی کے لفظوں میں تجربہ کا نچوڑ تھا۔

"ہاں عمید پتر! اب وہ ہماری عزت کے ساتھ ساتھ اس گھر کی بہو بھی ہے، جس کی تجھے حفاظت کرنی ہے۔"

ابا جی نے اپنے اکھڑ اور سنجیدہ بیٹے کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

اب چاہے وہ لڑکی جو اس کی حیات میں شریک ہو چکی تھی اس کے دل کے خالی مسند پر جلوہ افروز ہوتی یا نہیں مگر اس نے سچے دل سے یہ عہد نبھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ابا جی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

❊ ❊ ❊

کمرے کے بیچوں بیچ بیڈ رکھا تھا۔ دیواروں اور پردوں کا کلر ایش گرے تھا' جب کہ کارپٹ ذرا ڈارک کلر کا تھا۔ ٹیبل پر P.C کے ساتھ کئی موٹی کتابیں رکھی تھیں' ساتھ ہی ریک پر ڈھیروں فائلیں بے ترتیب پڑی ہوئی تھیں۔ بیڈ کے ساتھ ہی ڈریسنگ ٹیبل تھی اور ہیئر برش کے ساتھ چند پرفیومز اور ڈھیر سارے قلم تھے۔ کچھ فاصلے پر چھوٹے چاقو' کلہاڑی اور جانے کون سے اوزار تھے جنہیں وہ سمجھ نہیں پائی تھی مگر خوفزدہ ضرور ہو گئی تھی۔ مشعال اور ناجیہ اسے کافی دیر پہلے کمرے میں چھوڑ کر جا چکی تھیں اور وہ جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ کسی قسم کی کوئی سجاوٹ کے بغیر کمرہ خالص مردانہ تاثر پیش کر رہا تھا۔ اس کی نظر دیوار پر لگی فریم شدہ اس کی تصویر پر گئی۔ اٹھ کر ٹہلتے ہوئے وہ صرف اور صرف اس جنگلی اُجڈ شخص سے پیچھا چھڑانے کی ترکیبیں سوچ رہی تھی' جانے کون سی مصیبت کی گھڑی تھی جب اس نے سر جھکا لیا تھا مگر وہ اس کچے پکے دھول اڑاتی اینٹوں والے گھر سے راہِ فرار کے طریقے سوچ رہی تھی۔

اور وہ شخص جس سے پہلی ملاقات نے کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑا تھا اس سے چھٹکارے کا کوئی پلان سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جانے آ کر اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا مگر اس نے سوچ لیا تھا وہ اس سے دبے گی تو ہرگز نہیں۔ تھا کیا وہ' ایک گاؤں کا دیہاتی آدمی جس کی سوچ بھی محدود سی ہو گی جس نے اپنے بڑوں کے کہنے پر بغیر کسی پس و پیش کے "قبول ہے" کہہ کر دستخط کر دیا ہے۔

"ظاہر ہے جب اتنی خوبصورت پڑھی لکھی گرین کارڈ ہولڈر لڑکی ملے گی تو کون کافر ہو گا جو انکار کرے گا۔" اس نے غرور سے خود کو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھا اور بیڈ سے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔ صوفہ خاصا آرام دہ تھا۔ باہر سے ہلکی سی دستک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا' وہ یونہی بیٹھی رہی۔ وہ اپنے لمبے چوڑے وجود کے ساتھ اندر آ کر اسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ وہ کوئی مشرقی ماحول کی پروردہ شرمیلی سی لڑکی کی طرح گھونگھٹ گرائے اس کی منتظر نہیں ہو گی۔ پھر بھی اسے جھٹکا سا لگا تھا' وہ واحد کا... ستاروں بھرے دوپٹے سے بے نیاز صوفے پر کمبل لپیٹے نخوت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم۔" اس نے بے جی' ابا جی اور فائق چاچا کے لفظوں کا پاس کرتے ہوئے اس کا رویہ نظر انداز کر دیا' جب کہ اس کا دماغ کھولنے لگا تھا' اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کا زر خرید ہو۔

"میں جانتی ہوں میں ایک خوبصورت لڑکی ہوں۔ میرے پاس گرین کارڈ ہے مگر تم نے اتنی جلدی فیصلہ کیسے کر لیا' اور یاد رکھو مجھے یہ منظور نہیں ہے' صرف اور صرف ڈیڈ نے مجھے بلیک میل کیا ہے ورنہ' میرا لائف پارٹنر کم از کم تم جیسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے اپنی شہادت کی انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر کے ناک چڑھائی۔

الفاظ تھے کہ آگ کے شرارے جو عمید کے جسم و جان کو سلگا گئے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ پیچھے کھلی بڑی سی کھڑکی سے اسے باہر پھینک دے۔

"اگر یہ میرا انتخاب ہوتا تو کم از کم میں بھی آپ جیسی' بدتہذیب' شرم و حیا سے عاری' خود غرض لڑکی کو کبھی نہ اپناتا کیونکہ میرے نزدیک اس گورے چہرے سے زیادہ شخصیت کا نکھار اور کردار اہمیت رکھتا ہے۔" اس نے غضب ناک ہو کر اسے گھورا۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا میں کردار کی ٹھیک نہیں ہوں؟" امریکہ جیسے ماحول میں خود کو بچا کر رکھنے والی امتثال کے لیے یہ طعنہ نہیں' تھری ناٹ تھری کی گولی تھی۔ وہ بھنا کر کھڑی ہو گئی۔

"مسٹر عمید مبین! میں نے آج تک اپنی معمولی سی چیز شیئر نہیں کی ہے اور تم مجھے..... تم جیسے پینڈو سے شادی کرنے سے بہتر تھا کہ میں مر جاتی۔"

"اور تم بھی میرے متھے زبردستی لگی ہو' مجھے بھی اپنی کوئی چیز شیئر کرنے کی عادت نہیں۔ میں گھر میں تماشا نہیں چاہتا۔ اپنے ڈیڈ کے ساتھ صبح ہی چلی جانا۔" اس نے امتثال کے وجود سے لپٹا کمبل جھٹکے سے کھینچ لیا' وہ لڑکھڑا گئی۔

"ہاں۔ تم مجھے طلاق دے دو میں ابھی چلی جاؤں گی اور....."

"ہمارے یہاں بیویاں چھوڑنے کا رواج ابھی تک ...کہ سے نہیں آیا ہے۔" عمید کی حمیت پر اس کا ...البہ" تازیانہ بن کر لگا تھا۔

"اونہہ..... ہوتے کون ہو تم....." وہی بدتمیز انداز ...سے عمید کا خون کھول رہا تھا۔ وہ جھپٹ کر آگے ...ا۔

"بتاؤں' کون ہوں میں؟" اس نے امتثال کے ...نے پر اپنی مضبوط انگلیاں پیوست کر دیں۔ آنکھوں ...چنگاریاں اور چہرے کا تناؤ سب ہی اس کو خوفزدہ ...نے کے لیے کافی تھا۔ وہ جو طرم خانی دکھا رہی تھی ...کر رہ گئی۔

"میں گھر میں تماشا بنانا نہیں چاہتا۔ اگر انکار کرنا تھا ...پنے "ڈیڈ" سے کرتیں اور اگر تمہاری وجہ سے بے ...پریشان ہوئیں تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" اس کا ...اور برفیلا انداز دیکھ کر اسے کونے میں رکھے اوزار ...آ گئے اور ساتھ ہی سارہ مما کے جملے۔ "ایشیائی مرد ...انا کے لیے قتل تک کرنے سے دریغ نہیں کرتے' ...ی ان کی توہین نہیں کر سکتا۔"

"تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو؟" خود کو کمزور ...ہر کر کے وہ اسے اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دینا ...ہتی تھی۔

"میں بے جی اور مبین انکل سے کہوں گی۔" ...سرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اس نے ...ا ادا دیا۔

"خاموشی سے لیٹ جاؤ ورنہ....." بیڈ سے تکیہ ...رپٹ پر پھینک کر اس نے اسے دھمکایا۔

"اور اپنے حسن اور گرین کارڈ کا کیبل تمہیں ...بارک ہو' تم ہو کیا چیز۔ تم جیسی لڑکی تو میں دیکھنا بھی ...یں چاہتا۔ میرے نزدیک تمہارے جیسی لڑکی کی کوئی ...ثیت نہیں ہے۔" وہ فائق چاچا' بے جی' ابا جی سب ...ے کیے گئے وعدے بھول گیا۔

خواتین ڈائجسٹ پبلی کیشنز

کی ایک خوبصورت پیشکش

نامور مصنفہ رضیہ جمیل

کا "ساگر دریا بادل بوند"

کے بعد مشہور و معروف ناول

اک گھروندہ برف کا

اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

☆ خوبصورت سرورق

☆ مضبوط جلد

☆ آفسٹ پیپر

قیمت صرف =/300 روپے

کتاب منگوانے کے لیے

آج ہی =/330 روپے

کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ

ارسال فرمائیں۔

ملنے کا پتا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

"مجھے بھی میرے ڈیڈ نے بلیک میل کر کے تم سے شادی پر مجبور کیا ہے ورنہ یہ بیک ورڈ ماحول کنزرویٹو لوگ جہاں کھل کر سانس بھی نہ لی جائے۔ اگر وہ مجھے عزّت کا واسطہ اور مرنے کی دھمکی نہ دیتے تو میں یہاں سے ہیرس کے پاس جانے میں ایک لمحہ نہیں لگاتی، تم جیسے پینڈو سے شادی سے بہتر خود کشی ہے، تم اور تمہاری اوقات......"

"شٹ اپ......" جانے وہ آگے کیا کہتی کہ عمید کا بھاری ہاتھ اس کے گال پر پڑا، وہ جسے کبھی کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا، ساکت کھڑی رہ گئی اور پھر ایک دم اپنی توہین کا احساس جاگا۔

"یو......یو......" وہ شدت غم سے چند لمحے تو کچھ بول نہ سکی۔

"تم مجھے ابھی طلاق دو گے تم جیسے اُجڈ، بیک ورڈ شخص سے طلاق چاہیے مجھے۔"

عمید کچھ لمحے کھڑا اسے غصے سے گھورتا رہا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اسے نیچے ہال کمرے میں لے آیا، جہاں سب ہی بیٹھے فائق کے جانے کے انتظامات کر رہے تھے۔ وہ سب ایک دم چونک کر ان دونوں کو دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا عمید......" گھبرائی ہوئی بے جی اور اماں ایک ساتھ اٹھیں، مگر وہ سب کو نظر انداز کرتا اسے گھسیٹ کر فائق احمد کے سامنے لے آیا۔

"چاچا! دو مختلف ماحول کے لوگ ایک جگہ اکٹھے نہیں رہ سکتے، خاص طور پر جہاں عورت کو حد سے زیادہ آزادی دے دی جاتی ہو، ہم لوگ جاہل ہیں اور یہ اس پینڈو ماحول میں نہیں رہ سکتی جہاں اس کا دم گھٹتا ہو، مجھے اس طرح کی مغرور، خود سر اور بے باک لڑکیاں کبھی پسند نہیں تھیں، مگر میں آپ بڑوں کی وجہ سے مجبور ہوا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس نکاح کو میں ابھی اور اسی وقت ختم کرنا چاہتا ہوں میں امتثال کو طلاق......"

پریشان گم صم کھڑے سب لوگ جیسے خواب سے جاگے تھے اور فائق کے برابر کھڑے مبین احمد نے عمید کے گال پر ایک تھپڑ رسید کیا جب کہ بے جی اور چاچی حیران پریشان منہ کھولے کھڑی تھیں اور فائق احمد کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔

"تمہاری جاو بے جا ضد ماننے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اس طرح کے فیصلے کرتے پھرو جیسے بے جان چیزوں کے لئے فیصلے کرتے ہو۔" مبین احمد نے دوبارہ ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ فائق احمد نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور حیران کھڑی امتثال کو دیکھا۔

"کیا کیا ہے تم نے میری پرورش، میرے خون، سب کا فخر ختم کر دیا۔ کاش تم میری بیٹی نہ ہوتیں۔"

"صحیح کہتے ہو بیٹا! ماحول کا فرق بہت ہے۔ یہ غلطی میری تھی کہ میں......" آنسوؤں نے گلے میں پھندا سا لگا دیا۔

"بیٹا! مجھے معاف کر دینا، مگر چاہے تم اسے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالو مگر آئندہ اس قبیح فعل......" فائق احمد اس سے پہلے کہ اس کے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے اس نے فوراً انہیں تھام کر کرسی پر بٹھا دیا مگر وہ اچانک کھڑے ہو کر امتثال کی طرف لپکے۔

"بلکہ میں خود اس کو اپنے ہاتھ سے ختم کر دیتا ہوں تاکہ آئندہ کوئی اپنی بیٹی کی پرورش امریکہ جیسے ملک میں نہ کرے۔"

انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا پکڑ لیا امتثال اس اچانک افتاد پر بوکھلا گئی۔ حنان، مشتاق احمد اور دلشاد بیگم ایک ساتھ جلدی سے آگے بڑھیں مگر ان پر گویا جنون سوار تھا۔ عمید نے بھی ان کا ہاتھ تھامنا چاہا۔

"کیا کرتا ہے فائق پتر......! چھوڑ اسے، جان لے گا کیا؟" بے جی نے اپنے کمزور ہاتھوں سے بمشکل انہیں الگ کرنا چاہا تو فائق احمد نے ایک تھپڑ امتثال کے گال پر مارا اور پیچھے ہو کر ہانپنے لگے۔ امتثال کی سسکیاں پورے کمرے میں گونجنے لگیں۔

عمید الگ کچھ پریشان اور شرمندہ سا سر جھکائے کھڑا تھا، حنان، مشعال اور ناجیہ، دلشاد بیگم اور سلطانہ بیگم کے پیچھے یوں چھپے تھے جیسے بھوت دیکھ لیا ہو۔ مبین احمد سر تھام کر صوفے پر گر سے گئے۔ مشتاق احمد

نے ہمت کر کے فائق احمد کو کندھے سے پکڑ کر بے بسی کے ساتھ بٹھا دیا پورے ماحول پر ایک گمبھیر سناٹا طاری ہوا تھا، جسے امتثال کی سسکیاں توڑ رہی تھیں۔

"عمید! جاؤ دلہن کو کمرے میں لے کر جاؤ۔" بے جی کی تحکم بھری آواز نے اس سناٹے کو توڑا۔

"جاؤ پتر! عمید کے ساتھ......" مشتاق احمد نے بڑے پیار سے آنسو بہاتی امتثال کو مخاطب کیا تو وہ سسکتی ہوئی پلٹی۔

"تم بھی جاؤ......" ساکت کھڑے عمید کو مبین احمد نے گویا حکم دیا تو وہ یونہی سر جھکائے اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھ گیا عمید تو بیڈ پر سر پکڑ کر خاموش بیٹھ گیا۔ اور وہ کمرے کے درمیان کچھ دیر کھڑی رہی، پھر صوفے پڑے تکیے پر سر رکھ کر کروٹ کے بل لیٹ گئی۔

اپنی توہین اور تذلیل پر اس کے اندر عجیب سی بغاوت پیدا ہو رہی تھی۔ اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ دو مختلف ماحول کے لوگ ایک خوبصورت رشتے میں بندھ کر بھی اجنبی بلکہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے تھے، جانے والدین بچوں کو مکمل آزادی دے کر زندگی کے سب سے اہم معاملے میں ان کی رائے کو اہمیت کیوں نہیں دیتے۔

۞ ۞ ۞

روشن اور چمکدار سورج بڑی سی کھلی کھڑکی سے اپنی سنہلی کرنیں اس کی روئی روئی مندی آنکھوں پہ چھبو رہا تھا۔ اس نے بھاری ہوتا اپنا سر بمشکل اپنے ہاتھوں میں تھام کر اپنے تن سے وجود کو گھسیٹ کر بٹھایا، وہ روتے روتے سو گئی تھی۔ ذہن کے جاگتے ہی اس کو ایک ایک کر کے سارے منظر یاد آنے لگے، ساتھ ہی آنسو دوبارہ روانی سے بہنے کو تیار ہو گئے۔ اس نے گردن موڑ کر بیڈ کی طرف دیکھا، وہاں وہ شخص موجود نہیں تھا جس سے اس کو شدید نفرت کا احساس ہو رہا تھا، جس کی وجہ سے اس کی زندگی میں آنسو، اور غم آئے تھے۔ جس کی وجہ سے ذلت، حقارت اور تذلیل کا احساس ہوا تھا۔ اور فائق احمد یقیناً اس سے ملے بغیر ہی اتنی دور اسے ان ظالموں کے پاس چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس نے اپنے دُکھتے سر کو آہستگی سے دبایا تو اس کی نظر دیوار پر لگی اس کی تصویر پر پڑی۔

"میں نے بھی اگر تمہیں زِچ نہ کر دیا عمید مبین احمد! تو میرا نام نہیں، تم خود ہی مجھے چھوڑنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

اس نے اس کی فریم شدہ مسکراتی تصویر کو دیکھ کر ایک عزم کیا اور اٹھ کر واش روم میں گھس گئی اپنی جلتی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے ڈالتی خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ باہر دروازے پر دستک ہوئی تو وہ چونک گئی۔

"بھابھی......بھابھی......! یقیناً" کوئی اسے ہی آواز دے رہا تھا۔ وہ نل بند کر کے باہر آ گئی۔

"ناشتہ یہاں لے آؤں، یا ہمارے ساتھ کریں گی؟" ناجیہ نے آہستگی مگر بے حد خلوص سے پوچھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" رونے اور سو کر اٹھنے کی وجہ سے اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔

"پلیز بھابھی! ہم لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ بے جی نے بھی کچھ نہیں کھایا ہے۔"

"میں کوئی وی آئی پی گیسٹ نہیں ہوں جس کا انتظار کر رہے ہو تم لوگ۔" امتثال کا اس قدر تلخ لہجہ سن کر ناجیہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ وہ وہیں بیٹھ کر اپنا سر دبانے لگی، شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"پتر امتثال......؟" اپنی عصا ٹیکتی، ہانپتی کانپتی بے جی سیڑھیاں چڑھ کر دروازے سے جھانکنے لگیں۔

"آپ......؟" اس نے قدرے حیرانی سے انھیں دیکھا۔ انہوں نے اس کی روشن پیشانی چومی اور اس کو ساتھ لیے آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگیں، حالانکہ وہ نیچے جا کر سب کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر خاموشی سے صحن میں آ کر ان کے اونچے سے تخت پر سر جھکا کر بیٹھ گئی، وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

"بیٹی مجھ سے بڑھاپے میں بھوک برداشت نہیں ہوتی، مگر میں نے سوچ لیا تھا کہ آج ناشتہ میں تیرے ساتھ ہی کروں گی۔" اتنا محبت بھرا لہجہ تھا کہ ناچاہتے

ہوئے بھی بس یہی کہا۔

"بھوک نہیں لگ رہی ہے۔" یونہی سر جھکائے جھکائے اس نے جواب دیا۔

"کسی درخت کو اگر اس کی مٹی سے اکھاڑ کر دوسری جگہ دوبارہ لگاؤ تو بے شک وہ پنپ نہیں سکتا' مگر اپنی مٹی' اپنی زمین میں وہ جادو ہے جو پیلے پتوں کو بھی ہرا بھرا کر دیتی ہے۔ میں جانتی ہوں فائق احمد کا فیصلہ صحیح نہیں تھا۔ مگر بیٹا بہت صائب تھا وہ تمہارا باپ ہے اور کوئی باپ اپنی اولاد کا برا نہیں چاہ سکتا' تم تھوڑے عرصے یہاں رہو' یہاں کا ماحول سمجھو' پھر جو تمہارا فیصلہ ہو مجھے قبول ہو گا۔" بے جی نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیر کر شیریں لہجے میں سمجھایا۔

"ڈیڈ چلے گئے نا؟" اس نے بے جی کا جھریوں بھرا چہرہ دیکھ کر گلوگیر آواز میں سوال کیا۔

"ہاں' مگر میں اس کی ماں ہوں' میرے حوالے کر کے گیا ہے تجھے۔" بے جی نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"مجھ سے ملے بغیر' مجھے بتائے بغیر چلے گئے؟۔" اس کو عجیب سے دکھ نے آ گھیرا۔ آنسو دوبارہ بہنے لگے وہ بے جی کے سینے سے لگی سسکنے لگی۔

"بس پتر بس کر' اور وہ آنے کے لیے گیا ہے' دیکھنا آئے گا بہت جلد آئے گا۔" بے جی اسے تسلیاں دیتی تھپکتی رہیں۔ وہ بھی رو رو کر تھکنے لگی تھی۔ اپنی زندگی میں وہ شاید ہی کبھی روئی ہو' مگر کل کا سورج اس کے لیے سوائے آنسو اور اذیت کے کچھ نہ لایا تھا۔

"دلشاد دھیے! کچھ روٹی پانی کا بندوبست کرو....." بے جی نے آواز لگائی' دو منٹ بعد ہی مشعال ٹرے میں ناشتہ لیے تخت پر آ گئی۔ پیچھے پیچھے دلشاد بیگم اور سلطانہ بیگم بھی تھیں۔ دلشاد بیگم نے بیٹھنے سے پہلے ٹرے امتثال کے آگے رکھی جس میں بدیسی ناشتہ ہی تھا۔

"بسم اللہ کرو دھیے۔" بالکل بے جی جیسا مشفق لہجہ دلشاد کا تھا۔ انھوں نے اپنے ہاتھ سے بوائل انڈے اور سلائس کا نوالہ اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے ہولے سے اپنا منہ کھول دیا۔ اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔

"اپنی پسند کا ناشتہ' کھانا مشعال کو بتا دینا' اس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔"

سلطانہ بیگم کو اپنی بیٹی پر بڑا ناز تھا۔ پر وہ کسی رد عمل کا اظہار کیے بغیر چپ چاپ ناشتہ کرنے لگی۔ مشعال دوسری ٹرے میں پراٹھا اور دودھ لے کر بے جی کے آگے رکھ کر خود بھی ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"رب کا شکر ہے' میری دونوں بہوئیں میری اپنی بچیاں ہیں... یہ میرے حنان کی منگ ہے۔" یقیناً دلشاد بیگم نے مشعال کا تعارف اسی سے کروایا تھا جو بے جی کو پراٹھے کے ٹکڑے دودھ میں بھگو کر دے رہی تھی۔ اس نے یونہی مہر بہ لب ایک سلائس کے بعد بھری ہوئی چائے کا کپ منہ سے لگا لیا۔

"بھابھی! آج لنچ کے لیے کیا بناؤں مجھے' چائنیز' اٹالین ہر ڈش آتی ہے۔" برتن اٹھا کر لے جاتے ہوئے مشعال نے خاموش بیٹھی امتثال سے پوچھا۔

"کچھ بھی.... پلیز اگر کوئی پین کلر ہے تو مجھے دے دو۔ سر میں شدید درد ہے۔" اس نے جاتی ہوئی مشعال سے کہا۔

"آ میری دھیے! میں سر دبا دوں بلکہ تیل لگا دیتی ہوں....." سلطانہ بیگم جلدی سے آگے بڑھیں مگر وہ تخت سے یوں اٹھی جیسے وہ کوئی اچھوت ہوں وہ بے چاری منہ دیکھ کر رہ گئیں۔

"میں گولی لا دیتی ہوں۔" اگرچہ مشعال کو اس کا انداز اچھا نہ لگا تھا مگر ازلی مروت کے ہاتھوں خاموش رہی تھی۔

❋ ❋ ❋

آج جمعہ کا دن تھا' صبح سب ہی جلدی جلدی نماز کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ مبین احمد اور مشتاق احمد بھی گھر میں ہی تھے' بے جی کا حکم تھا جمعہ کے دن سب نماز پڑھ کر ایک دسترخوان پر کھانا کھائیں گے۔

"پتر! نہا دھو کر دسترخوان پر آ جا میری بچی۔" بے جی نے منہ بنائے بیٹھی امتثال کو چمکارا۔ کچھ دیر تو

وہ یونہی بیٹھی رہی پھر اوپر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تیزی سے اپنے کمرے میں گھستی ٹھٹھک کر رک گئی۔ عمید وارڈ روب کھولے مصروف تھا۔ پلٹ کر اس کو دیکھا پھر دوبارہ سر اندر ڈال لیا۔ سوائے پہلے دن کی لڑائی کے ان کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ اول تو وہ آتا ہی رات گئے تھا اور صبح منہ اندھیرے نکل جاتا تھا۔ اس نے بھی کچھ کہے بغیر آگے بڑھ کر بیڈ کے نیچے سے اپنا اکلوتا سفری بیگ گھسیٹا' جس میں وہ آتے ہوئے اپنے کپڑے وغیرہ لے آئی تھی۔

ڈیڈ نے ایک ہفتے کا کہا تھا اس لیے اس نے چار پینٹس' تین ٹی شرٹس اور تین قمیصوں کے ساتھ دو لانگ اسکرٹ بھی رکھ لیے تھے۔ ساتھ ہی ہیئر برش' ٹاول' شیمپو اور چند لوشنز تھے' مگر اس کے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ یہاں جانے کب تک قید کاٹنی پڑے گی' اس کے پاس پیسے بھی نہ تھے' سوائے ایک گولڈ کی چین کے جو اسے ڈیڈ نے پچھلی سالگرہ پر دی تھی۔

اس نے اپنے کپڑے گھسیٹ کر بیگ سے نکالے اور زپ بند کر کے دوبارہ بیگ بیڈ کے نیچے گھسیڑا۔

"عمید بھائی! جلدی آئیں۔ ابا جی اور چاچا جی تیار ہو گئے ہیں' جماعت شروع ہو جائے گی۔" کمرے کے باہر سے حنان نے اطلاع دی۔

"آ رہا ہوں۔" وارڈ روب بند کر کے اس نے ہاتھ میں تھامی ٹوپی سر پر پہنی اور اس کو دیکھے بغیر باہر نکل گیا۔ اس کا لمبا سراپا کتنی دیر تک اسے خوامخواہ ڈسٹرب کرتا رہا۔ پھر سر جھٹک کر نئی فکر سوار ہو گئی۔

وہ وہیں بیٹھی سوچتی رہی کہ کپڑے کیسے پریس کرے' پچھلے دو دن سے تو ایک ہی سوٹ چڑھائے ہوئے تھی۔

"کیا ہوا بھابھی؟۔" اندر کمرے کی صفائی کرنے آئی ناجیہ نے اسے کارپٹ پر کپڑوں کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر پوچھ لیا۔

"کپڑے پریس کرنے ہیں آئرن اسٹینڈ....." اس نے ادھر ادھر نظر گھما کر دیکھا۔

"آپ مجھے دے دیں میں کر دیتی ہوں....." ناجیہ نے خلوص سے کہا۔

"میں اپنا کام خود کرنے کی عادی ہوں۔" تلخ تو وہ کبھی نہ تھی' مگر جانے کیوں کڑوی ہو گئی تھی۔

"ماسی نوراں کے ہاتھ میں اوپر استری بھجوا دیتی ہوں....." ناجیہ کو اس کے انداز پر شدید تاؤ آیا تھا اس لیے خاموشی سے وہ نیچے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد ماسی نوراں استری لیے اوپر آ گئی اور کوئی بھی بات کیے بغیر نیچے اتر گئی۔ جیسے تیسے اس نے استری کی اور واش روم میں چلی گئی' کتنی ہی دیر تک وہ نیم گرم پانی سے نہاتی رہی۔ نہا کر وہ خاصی فریش ہو گئی۔

"بھابھی! کھانے پر سب آپ کو بلا رہے ہیں۔ دسترخوان لگ گیا ہے۔" وہ اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی جب ناجیہ دوبارہ آئی۔

"میں آتی ہوں....." جلدی جلدی برش پھیر کر اس نے گیلا تولیہ ٹیرس پر لٹکایا اور نیچے ہال کمرے میں آ گئی۔ سفید چاندنی کے اوپر بچھے لمبے سے دسترخوان پر انواع اقسام کی چیزیں تھیں۔

"آؤ پتر! یہاں آ جاؤ۔" سلطانہ بیگم نے اپنے پاس جگہ بنائی تو وہ جھجکتی ہوئی بیٹھ گئی۔ عمید نے ایک ناگوار نظر اس کے سراپے پر ڈالی جو بغیر سلام دعا کے حسبِ معمول گرے جینز پر پنک ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ جب کہ وہاں موجود خواتین کے علاوہ ناجیہ اور مشعال کے سروں پر بھی بڑا سا دوپٹہ تھا۔

"میرے پاس وقت نہیں ہوتا ہے پتر! زمین کے سو مسئلے ہوتے ہیں' تم برا نہ ماننا کہ چاچا تمہیں وقت نہیں دیتا۔"

مبین احمد نے اپنی بہو کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ صرف مسکرا دی۔

"کسی چیز کی بھی ضرورت ہو بلا تکلف کہنا۔ میں بھی تمہارا چاچا ہوں۔" مشتاق احمد نے بھی اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"چلو اب بسم اللہ کرو....." بے جی نے کہا تو دلشاد بیگم نے سب سے پہلے ان ہی کی پلیٹ میں سالن ڈالا اور پھر آہستہ آہستہ سب لیتے گئے۔ وہ یونہی بیٹھی رہی

تو سلطانہ بیگم نے اس کے آگے پلیٹ رکھ کر اسے متوجہ کیا۔

"بھابھی! میں نے آپ کے لیے چکن شاشلک اور رشین سلاد بنائے ہیں۔ لیجئے ذرا ٹیسٹ تو کریں' کیسا بنایا ہے۔"

مشعال نے ڈشیں اس کی طرف بڑھائیں۔ اس نے اپنی پلیٹ میں ڈال کر کھانا شروع کر دیا بے شک مشعال کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔

"ہمارے کھانے بھی چکھ کر دیکھیں بھابھی! آپ یہ پھیکے کھانے بھول جائیں گی۔" حنان نے میٹھی آلو بیسنی روٹی اور کڑھائی گوشت کی طرف اشارہ کیا' ساتھ ہی اصرار بھی کرنے لگا تو اس نے ذرا سا میٹھی آلو لے کر چکھا' مگر تیز مرچوں نے اس کی زبان دہکا دی۔

"کیا کرتے ہو حنان... ! ناجیہ! امتثال کو پانی دو...." مشتاق احمد نے پہلے مسکراتے حنان کو ڈپٹا' پھر ناجیہ سے کہا تو اس نے جلدی سے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ پانی پی کر فوراً" ہی کھڑی ہو گئی۔ سب مزید کھانے پر اصرار کرتے رہے مگر وہ دوسرے کمرے میں آگئی جہاں ٹی وی تھا۔

اس نے ماسی نوراں سے ٹی وی آن کروایا مگر وہاں سوائے نیوز اور کرنٹ افیئر جیسے پروگراموں کے علاوہ کچھ بھی نہ آرہا تھا۔ وہ حد درجہ بور ہونے لگی۔

"لیجئے بھابھی! ربڑی کھائیں...." مشعال نے پیالہ اس کے آگے کیا جس میں سفید سفید جانے کیا چیز تھی اس نے نا سمجھی سے دیکھا۔

"مرچیں نہیں لگیں گی' میٹھی ہے۔ چاچا جی جمعہ کو کچھ نہ کچھ لے کر آتے ہیں۔" اس کے کہنے پر اس نے ایک چمچہ منہ میں ڈال لیا تھا۔ اور میٹھا ذائقہ اسے خاصا بھایا تھا۔

"تمہارے یہاں ڈش نہیں ہے؟ یہ بور چینل کیسے دیکھتے ہو تم لوگ۔" اب ٹی وی پر کسی مقامی زبان کا گانا آرہا تھا۔

"مگر ہم نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ عمید بھائی! بھابھی کہہ رہی....." بولتے بولتے اچانک ہی اندر آتے عمید کو دیکھ کر اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے بات کاٹ دی' امتثال نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"یہ جب کہتی ہیں فضول اور بے تکا ہی کہتی ہیں۔" اس کے سامنے میز پر رکھا اخبار' اٹھا کر جیسے آیا تھا ویسے ہی چلا گیا۔ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ چہرہ سرخ اور آنکھیں تیکھی ہو گئیں۔ مشعال نے وہاں سے جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

* * *

ہال کمرے میں پلاسٹک شیٹ بچھائے اوپر ڈھیروں ڈھیر گاجروں کا بڑا سا تھال رکھے بے جی اور مشعال چھیلنے اور کش کرنے میں مصروف تھیں' حنان اور ناجیہ ٹی وی پر اسپورٹس دیکھتے ہوئے کینو کھانے کا مقابلہ کر رہے تھے۔

"مجھے تو امتثال بھابھی ذرا اچھی نہیں لگتیں۔ ایک دو دن کی مہمان بھیں تو خوش اخلاق تھیں جب سے عمید بھائی کا نصیب پھوٹا ہے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں' خاص طور پر ان کا غرور...." کینو کی پھانکیں کھاتے ہوئے ناجیہ نے تبصرہ شروع کیا۔

"اللہ نہ کرے' جو نصیب پھوٹے' جب بولنا الٹا بولنا۔" بے جی نے کام روک کر اسے لتاڑا۔

"صحیح کہہ رہی ہے ناجیہ! بے جی' اتنے دن میں عمید بھائی پریشان ہو گئے ہیں۔ پہلے ہی سنجیدہ تھے اب تو بالکل خاموش رہتے ہیں۔ صبح سے گھر سے نکلتے ہیں تو جانے کہاں کہاں کی خاک چھان کر آدھی رات کو آتے ہیں۔" حنان' ناجیہ کی بات سے سو فیصد متفق تھا۔ دل سے تو مشعال بھی ان لوگوں کے ساتھ تھی مگر خاموش تھی۔

"بس پتر نصیب کی بات ہے۔" بے جی نے افسردگی سے کہا اور دوبارہ گاجروں کے بڑے سے تھال کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"وہ تو ڈھنگ سے ہم سے بھی بات نہیں کرتیں'

سارا دن یا تو آپ کے ساتھ تخت پر آنکھیں بند کیے پڑی رہتی ہیں یا پھر کمرے کے اندر۔ کتنا چاہا کہ ہم سے فری ہو جائیں' بہانے بہانے سے بات بھی کی مگر وہ تو جیسے ہم لوگوں کو حقیر سمجھتی ہیں کچھ بولتی ہی نہیں۔"

ناجیہ بے چاری دو دن سے کالج سے چھٹی کر کے اسے کمپنی دینے کی کوشش کر رہی تھی' مگر اس کی سرد مہری کے آگے ناکام ہو گئی۔

"حالانکہ تمہارے ساتھ رہ کر تو گونگا بھی بولنے لگے۔" حنان نے اس کو چھیڑا۔

"بے جی...." ناجیہ چلائی۔

"بے جی! آپ کو فائق چاچا کی بات نہیں ماننی چاہیے تھی۔ عمید بھائی اور ان کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے' سب سے بڑی بات وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتے۔ دونوں کے ضبط کو آزمانے کی کیا ضرورت ہے' اگر وہ ہم لوگوں سے گھل مل جاتیں تو کوئی امید بھی تھی مگر وہ تو ہم سے بھی ناراض ہیں۔" خاصی دیر سے خاموش بیٹھی مشعال نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"جب انسان کی توقع کے برعکس کچھ ہوتا ہے تو وہ یونہی بی ہیو کرتا ہے' جیسا امتثال بھابھی کر رہی ہیں۔"

"تم بڑا سائیڈ لے رہے ہو...." ناجیہ نے حنان کے فلسفیانہ انداز پر اسے گھورا۔

"سلام بے جی...." دروازے سے ماسی نوراں چاولوں کی تھال لیے اندر آکر وہیں بیٹھ کر صاف کرنے لگی۔ بے جی نے گردن ہلا کر جواب دیا۔

"عقلمند ہے حنان.... ہم لوگ اگر انہیں تھوڑا سا موقع دیں تو شاید وہ بھی اس ماحول کو قبول کر لیں۔"

مشعال کو حنان کی بات سے اتفاق تھا۔

"اوہو.... اگر ایسا ہی میرا ساتھ دیتی رہیں تو میں خوشی سے مر جاؤں۔" اس کے سامنے جھک کر حنان نے سرگوشی کی تو مشعال کا دل دہل گیا۔ وہ اسے بے بسی نظروں سے گھور کر رہ گئی۔

"اللہ اچھا کرے۔ میں نے تو نفلیں مانگی ہیں کہ دونوں میں صلح ہو جائے تو میٹھے چاولوں کی دیگ بھی چڑھاؤں گی۔" بے جی نے آخری گاجر بھی چھیل کر مشعال کی طرف بڑھائی' اور دونوں ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف بے بسی سے دیکھا۔

"انشاء اللہ بے جی! ہم لوگ ولیمہ کریں گے دھوم دھام سے۔ شاید اللہ کو مجھ غریب کی منگنی شدہ زندگی پر رحم آجائے اور میرا بھی ساتھ ہی کچھ انتظام ہو جائے۔"

"اللہ وہ دن لائے...." ماسی نوراں نے خوش ہو کر دعا دی۔

"حنان! تمہارا فون ہے۔" سلطانہ بیگم نے آواز دی تو وہ تیزی سے باہر نکل گیا اور وہ خود اندر آکر بے جی کے پاس بیٹھ گئیں۔

"آج ناجیہ سے کہو گجریلا بنائے۔" اپنی چھوٹی بیٹی کے پھوہڑپن سے نالاں سلطانہ بیگم نے کش کی ہوئی گاجریں کھاتی ناجیہ کے اوسان خطا کر دیے تو ماسی نوراں اور بے جی بے ساختہ مسکرا دیں۔

"مجھ سے اچھا نہیں بنے گا۔" تاویلیں تو اس کے پاس ایک ہزار ایک تھیں' مشعال نے تھال اٹھا کر اس کے آگے رکھی۔

"جیسا بھی بنے فوراً" بناؤ ساتھ ہی روٹیاں بھی ڈال لینا۔" نئے فرمان نے تو ناجیہ بی بی کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے۔

"بے جی...." وہ ان سے ہمدردی حاصل کرنے کے لیے گلے لگی مگر بے جی کسی اور ہی موڈ میں تھیں۔

"آج تم پکاؤ' میں تمہارے ہاتھ کا پکا کھاؤں گی۔"

اس سے پہلے کہ وہ ان جملوں پر بے ہوش ہوتی مشعال اس کو کھینچ کر اپنے ساتھ کچن کی طرف لے گئی۔

* * *

تھکا ہارا وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا ٹھٹک کر رک گیا۔ پچھلے تین دن سے وہ جب بھی کمرے میں داخل ہوتا لائٹ آف ہوتی اور نائٹ بلب جلا ہوا ہوتا تھا مگر آج روشنی کی لکیر بند دروازے سے بھی باہر آرہی

تھی۔ جلد اندر داخل ہوا تو وہ وہیں کارپٹ پر تکیہ رکھے ہمیشہ کی طرح جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس سکڑی سمٹی پتا نہیں سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی' وہ اندازہ نہ کر پایا۔ اسے نظر انداز کرتا وہ ہمیشہ کی طرح واش روم میں گھس گیا۔ گرم پانی سے نہانے کے بعد تولیے سے سر رگڑتا جب باہر آیا تو وہ یونہی بے حس و حرکت تھی بستر پر بیٹھ کر پاؤں کے پاس رکھا کمبل اوڑھ کر لیٹنے ہی والا تھا کہ چونک اٹھا۔

دوبارہ گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا' اپنی ٹانگوں کو اپنے سینے میں گھسائے وہ یقیناً" سردی سے کانپ رہی تھی۔ آج اچھی خاصی ٹھنڈ تھی سرد ہوائیں جسم کو چھیدتی محسوس ہو رہی تھیں۔ لمحہ بھر ٹھہر کر اس نے اپنا کمبل اٹھایا اور بیڈ سے اتر کر نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے اوپر ڈال دیا۔

"اونہہ۔۔۔۔ محترمہ کی ناک نیچی ہو جاتی اگر کمبل اوڑھ لیتیں۔" وارڈ روب کھول کر کسی چادر کی تلاش میں اس نے نظریں دوڑائیں پھر دو شالیں اور ایک بیڈ شیٹ نکال کر بیڈ پر آیا' تینوں کو ساتھ جوڑا اور سر تک تان کر لیٹ گیا' مگر کوئی چیز اسے بے چین کر رہی تھی۔

اپنے اوپر کسی نرم گرم چیز کا احساس ہوتے ہی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا' وہ اس کے سرہانے کھڑی تھی۔ دو دن تو اتنی سردی نہ تھی پھر وہ بھی ٹھنڈے ملک سے آئی تھی۔

"مجھے ضرورت نہیں ہے اس احسان کی۔" کان کے پاس وہ زور سے چلائی۔

"احسان نہیں' انسانیت ہے۔"

"انسانیت' انسانوں کے پاس ہوتی ہے۔" وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"فی الحال میں کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں' سردی سے اکڑ کر مرنا ہے تو مرو' مجھے کیا۔ باہر صحن میں چلی جاؤ وہاں زیادہ خوشگوار سردی ہے۔" کڑوے لہجے میں اس نے پاؤں مار کر کمبل نیچے پھینکا۔

"انسانیت کی بات کرتے ہیں۔

اس نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا اور کروٹ بدل لی کچھ حیرانی سے امتثال نے اس کے لمبے چوڑے وجود پر نظر ڈالی۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے' کمبل اوڑھو اور سو جاؤ' ہم لوگ نہ عملی طور پر جاہل ہیں نہ ذہنی طور پر۔"

کروٹ بدلے بدلے ہی اس نے کہا اور ہاتھ بڑھا نائٹ بلب کر جلا دیا۔ وہ تھوڑی دیر اس کی چوڑی پشت پر نظریں جمائے کھڑی رہی پھر بڑبڑاتی ہوئی دوبارہ یونہی لیٹ گئی۔ کچھ آنسو پیتی' کچھ غصہ کرتی وہ سکڑ کر دوبارہ لیٹ گئی مگر دس منٹ بعد ہی سردی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی تھی۔

تقریباً" آدھے گھنٹے کے بعد عمید نے اس کی طرف دیکھا تو وہ اس کے خیال کے عین مطابق یونہی سو رہی تھی۔ کچھ لمحے تو وہ یونہی جھنجلاتا رہا پھر دوبارہ اٹھ کر بیڈ سے نیچے پڑا کمبل اس پر ڈال دیا۔ گو کہ وہ جاگ رہی تھی مگر سردی ناقابل برداشت ہو رہی تھی' اس لیے سوتی بنی رہی۔ فی الحال اس کا سردی سے ٹھٹھر کر مرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ فارغ بیٹھے بیٹھے اکتانے لگی تھی۔ وہاں تو ایک اسٹور پر پانچ گھنٹے مسلسل کام کرتی تھی۔ وقت کا پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ صبح صبح یونیورسٹی بھاگتی تھی اور باقی وقت اسٹور' پھر گھر آکر چھوٹا موٹا کام۔ یہاں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھے سوائے پرانی خوشگوار یادوں کو دہرانے اور حال کی تلخیاں یاد کرنے کے اس کے پاس کوئی کام نہ تھا۔

"بھابھی! آپ مجھے یہ سمجھا دیں گی۔" کل ہونے والے ٹیسٹ کے لیے ہلکان ہوتی ناجیہ' ہملٹن لیے اس کے پاس آگئی۔

"پہلے کون پڑھاتا تھا؟۔" موٹی موٹی انگریزی کی کتابیں وہ ادھر ادھر بکھری ہوئی دیکھ چکی تھی۔

"عمید بھائی پڑھاتے ہیں ہم سب کو۔ ابھی تک تو

آئے نہیں' کل ٹیسٹ ہے۔"

"انہوں نے کتنا پڑھا ہے؟۔" دل کے کونے سے ابھرنے والا سوال ہونٹوں پر آگیا۔ جانے کیسے دلچسپی ہو گئی تھی اس کٹھور شخص سے۔

"ACCA کی ڈگری ہے ان کے پاس۔ انگلش لٹریچر سے لے کر اردو ادب تک حفظ ہے اور مشعال بھی انگلش لٹریچر پڑھ چکی ہے۔ حنان نے ایم اے کیا ہے۔" اتنے ویل ایجوکیٹڈ اور گاؤں کے لوگ' اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھے تھے جبکہ ان لوگوں کے حلیے اور بات چیت بہت عام سے انداز کی ہوتی تھی۔ کہیں سے بھی پتہ نہیں لگتا تھا کہ وہ لوگ اتنے پڑھے لکھے ہوں گے۔

"تمہارے بھائی کے پاس اچھی ڈگری ہے تو پھر چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کی جاب تو بہت آسانی سے مل سکتی ہے۔ زمینوں سے سر کیوں کھپاتے ہیں؟۔"

"وہ کہتے ہیں مٹی وجود کو مٹی میں ہی جانا ہے تو پھر اس پر محنت کرنے سے کیا شرم۔ یہی زمین تو ہمارا پیٹ پالتی ہے' اس لیے چاچا جی اور ابا جی کے ساتھ زمینوں پر رہتے ہیں۔" ناجیہ خوش خوش ساری معلومات فراہم کر رہی تھی۔ آج تو بھابھی اس سے فری ہوئی تھیں اور اتنی توجہ دی تھی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔

"مشعال اور تم کیسے جاتی ہو گی' یونیورسٹی و کالج یہاں تو ہے نہیں کوئی۔" اس نے امریکہ میں اس موضوع پر ریسرچ کی تھی کہ پاکستان میں عورتوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر گاؤں کی عورتوں کو محکوم اور غلام بنا کر رکھا جاتا ہے۔ تعلیم اور دیگر سہولیات کا فقدان ہوتا ہے۔

"ڈگری کالج تو یہاں سے قریب ہے اور پنجاب یونیورسٹی یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔ کبھی عمید بھائی یا حنان چھوڑ دیتے ہیں' کبھی ابا جی یا چاچا جی' ورنہ صبح ٹائمنگ سے بس چلتی ہے' اس سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔"

"بھابھی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے فاصلے خود بخود سمٹ جاتے ہیں' ویسے آپ نے کہاں تک پڑھا ہے؟" حنان بھی کھنکھارتا ہوا ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"میں۔۔۔ میرا لاسٹ ایئر تھا ایم بی اے کا مگر ڈیڈ۔۔۔" بتاتے بتاتے اس کا لہجہ خود بخود گلوگیر ہو گیا۔ حنان اور ناجیہ شرمندہ سے ہو گئے۔

"یہ لیں بھابھی! ناجیہ نے گجریلا بنایا ہے۔" مشعال پلیٹ لیے اس کے پاس آئی۔

"پہلی دفعہ بنایا ہے' بے جی کھڑی رہی تھیں سر پر۔" ناجیہ کے لہجے میں فخر تھا' اس نے ایک چمچہ منہ میں ڈالا۔

"ونڈر فل' بہت اچھا ہے۔" کھلے دل سے اس نے تعریف کی اور پوری پلیٹ پکڑ لی۔

"ہونے والے مجازی خدا کو بھی کبھی پوچھ لیا کرو۔" حنان نے ایپل گرین کاٹن کے سوٹ پر پرنٹڈ دوپٹہ لیے مشعال کو شوخی سے دیکھا۔ امتثال نے دونوں کے چہرے پر بڑی پیاری چمک محسوس کی تھی۔ اس کے دل ۔ میں کچھ ہوا تھا۔

"تمہیں یاد نہیں کرنا کیا' جاؤ کل ٹیسٹ ہے اور حنان! تم ذرا بھابھی کو کمپنی دو' مجھے آج ایپل پائی بنانا ہے بھابھی کے لیے۔" مشعال نے اس کی بات قطعی نظر انداز کر کے پہلے ناجیہ کو اٹھایا اور پھر اس سے کہا۔

"میرے لیے کبھی اتنی تکلیف نہیں اٹھاتیں' میں جیلس ہو رہا ہوں بھابھی سے۔" وہ احتجاجاً" بولا جبکہ ناجیہ اٹھ کر چلی گئی۔

"مشعال! میرے لیے تکلف مت کرو' بس کھانوں میں ذرا مرچیں کم ڈالا کرو' میں سب کھا لوں گی۔" جب سے وہ یہاں تھی' مشعال اس کے لیے ایسی ہی ڈشز بنا رہی تھی' آج وہ واقعی کچھ پریشان ہو گئی۔

"آئیں بھابھی! میں آج آپ کو اپنا خوبصورت کمرہ دکھاتا ہوں۔"

وہ بھی جانے کس خیال میں اس کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔ سنگل بیڈ، کمپیوٹر، سی ڈی پلیئر، ڈریسنگ ٹیبل پر پرفیوم، آفٹر شیو لوشن اور ساتھ ہی سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر رکھا ہوا تھا۔

"تم اسموکنگ کرتے ہو حنان!؟"

"پلیز بھابھی! عمید بھائی کو مت بتایئے گا' انہیں سخت چڑ ہے سگریٹ سے' وہ ناراض ہوں گے۔" حنان نے گھبرا کر اس سے وعدہ لیا۔

"او کے' مگر مشعال کو پتہ ہے؟۔" اس نے بیڈ پر رکھے گیلے تولیے کو اٹھاتے حنان کو دیکھا۔

"جی بھابھی! میں آج کل چھوڑنے کی سوچ رہا ہوں۔ مشعال ناراض ہو گئی ہے مجھ سے مگر میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ جلد ہی چھوڑ دوں گا۔ آپ بیٹھیں بھابھی! میں ذرا یہ ٹیرس پر ڈال آؤں۔" وہ کمرے سے ملحق ٹیرس پر چلا گیا۔ امتثال نے سگریٹ کے پیکٹ سے دو سگریٹ نکال کر ہاتھ میں چھپا لیے۔

"بھابھی! ہماری رائے آپ کے بارے میں پہلے اچھی نہیں تھی مگر آپ تو خاصی فرینک ہیں۔ پلیز ذرا مشعال سے دوستی کروا دیں۔ کل میں نے اس کی "خوشبو" میں دو بڑے بڑے کاکروچ رکھ دیے تھے' کھولتے ہی چیخنے لگی اور اب بات نہیں کر رہی ہے۔ پلیز آپ صلح کروا دیں۔"

حنان اس کے سامنے بیٹھ کر اپنا دکھڑا رونے لگا' اس نے گھبرا کر جلدی سے گردن ہلا کر ہامی بھر لی۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا امتثال! تم فائق کو فون کر کے خیریت کیوں نہیں پوچھ لیتیں۔" وہ صوفے پر ٹانگیں چڑھائے ٹی وی پر کوئی دستاویزی پروگرام خاصی بے دلی سے دیکھ رہی تھی جب مبین احمد نے اس سے کہا۔ وہ پہلے چونکی اور پھر ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ ڈیڈ سے بات کیے آج کتنے دن ہو گئے تھے' نہ ان کو دیکھا تھا' نہ ان کی پیار بھری آواز سنی تھی۔

"جاؤ بائیں طرف کے تیسرے کمرے میں فون رکھا ہے' کر لو جا کر۔" وہ خاموشی سے اٹھ کر چاچا مبین کے بتائے گئے تیسرے کمرے کی طرف آ گئی۔ جہاں حنان اور عمید جھکے ہوئے کسی کام میں مصروف تھے۔ عمید نے نظر تک اٹھا کر نہیں دیکھا۔

"آئیں بھابھی! آپ کے طفیل ہمارے بھی عیش ہو گئے۔" حنان نے دروازے پر کھڑی امتثال کو اندر بلایا تو وہ اندر آ گئی۔ عمید ڈش اینٹینا کا کوئی تار جوڑ رہا تھا۔ حنان بھی ساتھ لگا ہوا تھا۔

"مجھے ڈیڈ کو فون کرنا تھا۔" اس نے سرد چہرے پر ایک نظر ڈالی مگر وہ ہنوز مصروف تھا۔

"ہاں' آپ کر لیں' ہم لوگ باہر چلے جاتے ہیں بلکہ چھت پر "اسے" سجانے۔" حنان نے اس کے آگے فون اسٹینڈ سے اٹھا کر رکھا اور باہر نکل گیا۔ وہ کچھ دیر فون گود میں رکھے بیٹھی رہی پھر نمبر ملانے لگی مگر نمبر انگیج تھا۔ اس نے دو تین دفعہ ٹرائی کیا پھر بے بسی سے تاروں میں الجھے عمید کو دیکھا مگر وہ تو یوں تھا جیسے اس کے علاوہ کمرے میں کوئی نہ ہو۔ اس نے دوبارہ کوشش کی مگر بے سود۔ اس سے پہلے کہ وہ جھنجلاتی' اچانک اسے ہیرس کا خیال آیا۔ اس نے چور نظروں سے عمید کو دیکھا اور پھر ہیرس کا نمبر ملایا۔ دو بیل کے بعد وہاں ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو!" ہیرس کی آواز وہ اچھی طرح پہچانتی تھی' اس نے جلدی سے اپنا تعارف کروایا۔

"کہاں ہو تم! مسٹر فائق تو اکیلے آئے ہیں۔" وہ چیخا۔

"ہاں ہیرس! تم کیسے ہو؟۔" اس نے بھی اس سے پوچھا۔

"تم کب آؤ گی؟"

"میرا نکاح ہو گیا ہے' میں نہیں آ سکتی۔"

"کیا....؟" وہ حیرت سے چلایا۔

"ڈیڈ کی خواہش تھی۔ ڈیڈ کہاں ہیں؟"

"تم خوش ہو؟۔"

"نہیں.... مگر...." اس نے دوبارہ عمید کی طرف دیکھا۔ اب وہ چیزیں سمیٹ کر باہر نکل رہا تھا۔

"میں انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔"

"میں کیسے آؤں' میرا نکاح ہو چکا ہے۔"

"امریکن ایمبیسی فون کر کے بتاؤ' تمہارے پاس گرین کارڈ ہے' اس طرح تمہیں کوئی زبردستی نہیں رکھ سکتا۔"

وہ حیرت سے اپنی عقل پر ماتم کرنے لگی۔ بھلا اس کو کیوں اس بات کا خیال نہیں آیا' وہ تو بہت آسانی سے یہاں سے پیچھا چھڑا سکتی ہے۔ وہ مسرور سی ہو گئی۔ ہیرس سے بات کر کے اس کی بہت بڑی مشکل حل ہو گئی تھی' اس لیے گنگناتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔

"دھیے! ٹھنڈ بڑھ گئی ہے' یہ رکھ لو۔" دلشاد بیگم نے کشمیری شال مسکراتی ہوئی امتثال کی طرف بڑھائی۔

"تھینک یو آنٹی!" اس نے سرخ کڑھائی والی خوبصورت شال تھام لی۔

"عمید مجھے اماں جی کہتا ہے' تم بھی کہو گی تو مجھے خوشی ہو گی پتر!" اسے پیار سے دیکھا۔

"او کے اماں جی!" وہ اس وقت بے حد خوش تھی اس لیے فوراً ہی ان کی بات مان لی۔ انہوں نے بھی خوش ہو کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"اوہو.... ساس' بہو کا جذباتی سین چل رہا ہے۔" ناجیہ نے جھانکا۔

"بھابھی! یہ آپ کی کافی اور یہ عمید بھائی کی' وہ اوپر کمرے میں ہیں۔" اس نے دو کپ امتثال کو پکڑائے تو وہ اوپر کمرے میں چلی آئی۔

❊ ❊ ❊

اتوار کے دن صبح ہی سے ان لوگوں کا پروگرام فارم ہاؤس جانے کا تھا جس کی تیاریاں صبح سے ہو رہی تھیں۔ کچن میں مشعال' ناجیہ اور ماسی نوراں کے ساتھ مختلف ڈشز بنا رہی تھی۔ حنان' بے جی کو راضی کر رہا تھا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔ اور وہ اپنے گھٹنوں کی تکلیف کا اظہار کر رہی تھیں۔ دلشاد بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں پہلے ہی معذرت کر چکی تھیں۔ عمید' مبین احمد اور مشتاق احمد دونوں کو گاڑی میں بٹھا کر انہیں لینے اندر آیا' جہاں امتثال بھی خوش خوش کھڑی تھی۔

"جلدی کرو' حنان! سامان اٹھا کر گاڑی میں رکھو۔" حنان مشعال سے چیزیں لے کر باہر نکل گیا۔ عمید نے بھی کئی چیزیں سنبھالیں اور بے جی کو خدا حافظ کہتا باہر نکلا۔ پیچھے پیچھے مشعال اور ناجیہ بھی اپنی بڑی سی چادر سے سر سے پاؤں تک اوڑھ کر اس کے پیچھے تھیں۔ امتثال بھی ہاتھ میں فلاسک لیے ان کے ساتھ تھی۔ عمید نے گاڑی آگے بڑھائی۔

"اس سے پہلے کبھی فارم ہاؤس گئی ہو امتثال بیٹا!" مشتاق احمد نے باہر جھانکتی امتثال سے پوچھا۔

"نہیں انکل! اصل میں کبھی اسٹور اور یونیورسٹی سے ٹائم ہی نہیں ملتا تھا۔"

"آج دیکھنا تمہیں کتنا مزہ آئے گا' وہاں ایک گیسٹ ہاؤس بھی ہے۔"

"انکل! آپ لوگ بھی گھومنے جا رہے ہیں ہمارے ساتھ۔" ہر وقت کام کام میں مصروف مشتاق احمد اور مبین احمد سے اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں بیٹا! گھومنا کیا' وہاں کے لوگوں کے کچھ مسائل ہیں' انہیں حل کرنا ہے۔" بے وقوفانہ سوال کا جواب بھی مبین احمد نے ہنس کر دیا۔ جبکہ مشعال بے ساختہ مسکرائی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے عمید نے بھی نظریں اٹھا کر اس کا جھینپا ہوا چہرہ دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ بہت خوبصورت اور ہرے بھرے علاقے میں پہنچ گئے۔ دور دور تک ہریالی پھیلی ہوئی تھی۔ مبین احمد اور مشتاق احمد تو کچھ دیر بیٹھ کر اور چائے پی کر آگے پیدل ہی چلے گئے' جبکہ وہ لوگ ادھر ادھر گھومنے لگے۔ ناجیہ اور حنان کی مسلسل چلتی زبان انہیں بے ساختہ مسکرانے پر مجبور کر رہی تھی۔

"وہاں سے امرود اور کینو توڑیں؟۔" ناجیہ نے پھل

دیکھ کر للچائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"فضول حرکتیں مت کرو۔" مشعال نے ٹوکا مگر وہ امتثال کو آنکھوں سے اشارہ کرتی اس کے ساتھ درختوں کی طرف بڑھ گئی۔

امتثال اور نادیہ مالٹے کے درخت کے پاس پہنچ کر مالٹے گننے لگیں پھر امتثال نے ۔ درخت پر چڑھنا شروع کیا۔

"بھابھی! یہ والا توڑیں۔" ناجیہ نے اوپر چڑھی امتثال کو بڑے سے مالٹے کی طرف متوجہ کیا تو اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے توڑا اور اس کے پاس نیچے پھینکا پھر خود بھی نیچے اتر آئی۔ آگے جاکر امرود توڑے۔ کچھ کھائے' امتثال ابھی تصویریں کھنچوانے کا سوچ رہی تھی کہ مشعال نے ساری چیزیں وہیں درخت کی چھاؤں میں رکھ کر اسے آواز دی۔

"بھابھی! گودام سے عمید بھائی کو بلا لائیں' آپ کی رائٹ سائیڈ پر جو دروازہ ہے۔" ان دونوں کے درمیان اتنے اچھے سفارتی تعلقات تو نہ تھے مگر پھر بھی اس نے گیٹ کے اندر جاکر جھانکا۔ ڈھیر ساری بوریوں کے بیچ وہ کسی آدمی سے محو گفتگو تھا۔ وہ آدمی بڑے سے ترازو کے پلڑے میں موٹا سا باٹ رکھے بوریاں تولتا جا رہا تھا۔ وہ اشتیاق سے آگے آئی۔ جہاں وہ جھک کر چاولوں کے ڈھیر پر ہاتھ مار رہا تھا' اسے دیکھ کر وہ چونک گیا۔

"سلام بی بی!" اس کے سامنے آتے ہی اس شخص نے فوراً اسے سلام کیا۔

"تم... کیا ہوا ہے؟" چھوٹے چھوٹے سرخ پھولوں والا لانگ بلیک اسکرٹ اس نے پہلی دفعہ پہنا تھا۔ بال حسب معمول کھلے تھے۔ سرخ و سفید چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے جبکہ براؤن آنکھوں میں اشتیاق کا جہاں آباد تھا۔ اس نے نظریں چرا لیں۔ دل کم بخت جانے کیا فرمائش کرنے لگا تھا۔

"تم جاؤ فیض محمد! منشی سے کہو' رجسٹر لے کر آئے۔" عمید کے کہنے پر فیض محمد اٹھ کر دوبارہ سلام کرتا چلا گیا۔ "مشعال کہہ رہی ہے لنچ ٹائم ہو گیا ہے۔"

کہتے کہتے اس نے جھک کر چاولوں کے ڈھیر میں ہاتھ مارنا چاہا تھا مگر جانے کیسے پاس بیٹھے عمید کی آنکھ میں اس کی انگلی لگ گئی۔ عمید نے جلدی سے ہاتھ اپنی بائیں آنکھ پر رکھا۔

"سو... ری... وہ..." گھبرا کر اس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا ٹشو اس کی طرف بڑھایا۔ محبت کی آنکھ میں حسین سپنے آبسے تھے' بس ایک لمحے کی بات تھی۔

"تم چادر یا دوپٹہ نہیں اوڑھ سکتیں تو کم از کم گلے میں اسکارف ہی ڈال لیا کرو۔" اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھتے ہوئے اس نے ٹشو پیپر لے لیا تو وہ لمحہ بھر کے لیے سٹپٹا گئی۔ آج تک کبھی اسے کسی نے ٹوکا نہیں تھا اور اسے نہیں یاد کہ کبھی اس نے دوپٹہ اوڑھا ہو۔

"تم چلو میں آتا ہوں۔" اس کو خاموش دیکھ کر اس نے آہستگی سے کہہ کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔ کسی خواہش نے اس کا ہاتھ بھی تھاما تھا۔

وہ فوراً ہی مڑی تھی مگر چیخ مار کر اس کے چوڑے شانے سے لگ گئی۔ وہ بھی حواس باختہ مڑا تھا۔

"کیا ہوا۔" اس کے خوف زدہ چہرے کو دیکھ کر تشویش سے پوچھا پھر اس کی نگاہوں کی سمت دیکھنے لگا۔ فرش پر تین موٹے موٹے چوہے اکٹھے نیچے پڑا اناج نوش فرما رہے تھے۔ عمید کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"ان سے ڈر گئیں۔" اس کے شانوں کو مضبوطی سے پکڑے امتثال کو خفت کا احساس ہوا۔ جلدی سے ہاتھ نیچے گرا لیے مگر قدم آگے نہیں بڑھائے۔

"آؤ' میں چھوڑ دوں' ان کا بھی لنچ ٹائم ہے۔" عمید اس کا ہاتھ تھام کر آگے نکلنے لگا تو وہ بھی کچھ خوف زدہ سی اس کے چوڑے وجود کے پیچھے دبکی تیزی سے باہر نکل گئی۔

دور سے مشعال اور حنان نے دونوں کو ہم قدم دیکھ

کر دعا مانگی تھی' ان کے عمر بھر کے ساتھ کی۔

☼ ☼ ☼

وہ بغیر پلکیں جھپکائے چہرے پر تحیر لیے اس متن کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور جب سمجھ میں آیا تو اس کو لگا تھا کہ۔ اس کی شریانوں میں خون کی جگہ شرارے دوڑ رہے ہوں۔ تیز تیز قدم اٹھاتا وہ اندر داخل ہوا۔ جہاں وہ ہمیشہ کی طرح کارپٹ پر براجمان سامنے ٹی وی پر کوئی انگریزی فلم دیکھنے میں محو تھی۔ کھٹکے پر چونک کر اس کے سرخ انگارہ چہرے اور تیکھے چتون کو دیکھا۔

"یہ... تم نے ایمبیسی کال کی تھی...؟" وہاں سے آیا خط جس میں اسے حبس بے جا میں رکھنے' بغیر رضامندی کے نکاح کرنے اور ظلم و ستم کے پہاڑ کاٹنے جیسے۔ الزامات کی بارش تھی' اس کی گود میں پھینکا۔ اس نے پہلے اس کو دیکھا اور پھر گود میں رکھے لفافہ میں سے سفید کاغذ نکال کر پڑھنے لگی۔ اتنی جلدی کی تو اسے امید تک نہ تھی۔ پرسوں رات کو اس نے کال کی تھی اور آج صبح ہی صبح اس کی رہائی کے آرڈر آگئے تھے۔ صاف لکھا تھا کہ اگر "مسٹر عمید مبین احمد نے امتثال فائق احمد کو اس کی اجازت کے بنا زبردستی رکھنے کی کوشش کی تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی' لہٰذا اسے جلد از جلد امریکہ پہنچا دیا جائے۔"

"کہو' تم نے ایسا کیا دیکھا ہے یہاں۔ کون سے حبس بے جا میں ہو تم اور میں نے کب تمہیں باندھ کر رکھا ہے۔ میں تو اسی دن اسی وقت تمہیں چھوڑنے کو تیار تھا۔ تم... تم ہمیں عدالت میں لے کر جاؤ گی' تمہیں جانا ہی تھا تو بے جی کے کیے گئے وعدے کی ہی لاج رکھ لیتیں۔ وہ تمہیں خود پہنچا کر آتیں مگر تم..." اسے خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

"میری بات سنو میں..." اس قدر تنے چہرے اور غصہ میں بھرا وجود دیکھ کر وہ سٹپٹا گئی۔ جلدی سے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"چلو... فوراً نکلو۔" وہ تیزی سے بیڈ کی طرف آیا۔ جھک کر اس کا اکلوتا سفری بیگ کھینچ کر نکالا۔ اس کا برش اور تولیہ لا کر اس کے اندر ٹھونسا۔ وارڈروب کھول کر دراز کھینچی' اس میں سے خاصی رقم نکال کر اپنے والٹ میں رکھی پھر اس کی طرف آیا اور حیران پریشان کھڑی امتثال کا ہاتھ کھینچنے لگا۔

"کیا کر رہے ہو...؟" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر آہنی گرفت پر لڑکھڑا کر رہ گئی۔

"ابھی اور اسی وقت چلو ایئر پورٹ۔ میں ابھی تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔ تمہاری ساری لاپروائیاں میں نے صرف فائق چاچا کی وجہ سے برداشت کی ہیں۔ تمہاری زبان' تمہاری بدتمیزی' مگر اب..." وہ اسے کھینچتا ہوا سیڑھیاں اترنے لگا۔ ماسی نوراں نے حیران ہو کر سیڑھیوں پر جھاڑو دینا چھوڑ دی۔

"کہاں لے کر جا رہا ہے...." تخت پر بیٹھی بے جی اس کی طرف لپکیں۔ ناجیہ نے گھبرا کر ماں کو آواز دینا شروع کر دی۔

"کیا ہوا عمید بھائی!" مشعال نے روتی ہوئی امتثال کو ... گھسیٹتے عمید سے پوچھا۔

"کیا کر رہے ہو عمید!" دلشاد بیگم شور پر جلدی سے باہر آئیں مگر تماشا دیکھ کر وہیں رک گئیں۔

حنان نے اسے روکنا چاہا۔

"میں اس کا بدلہ لوں گا۔"

عمید نے ایمبیسی سے آیا لفافہ حنان کی طرف بڑھایا۔

"پلیز بھائی! کوئی بھی لفظ منہ سے نکالنے سے پہلے سوچ لیں۔" مشعال نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔ حنان پڑھنے لگا۔

"میں نے کوئی بے عزتی نہیں کی ہے ان کی ہاں' میں نے امریکن ایمبیسی فون ضرور کیا تھا۔ مجھے ڈیڈی یاد آرہے تھے۔ وہ فون ریسیو ہی نہیں کرتے۔" وہ مشعال کے گلے لگ گئی۔ بے جی جلدی سے آگے بڑھ کر اس کو اپنے ساتھ لے جانے لگیں۔ مختصراً" حنان نے نوٹس سنایا۔

"پلیز بے جی! اسے میرے ساتھ جانے دیں، میں نہیں چاہتا کہ میں کوئی گستاخی کروں۔" عمید نے دوبارہ اس کا ہاتھ کھینچا۔

"بس کرو عمید! لحاظ مروّت ہی ختم ہو گیا ہے کیا۔" دلشاد بیگم نے اسے ڈپٹا، مگر وہ بپھرا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے، جو کرنا ہے کریں، جب عدالت سے نوٹس اور گیٹ پر پولیس آئے گی تو یہ بے عزّتی آپ لوگ برداشت کر سکیں گے؟۔

"یہ مجھ سے چھٹکارا چاہتی ہے اور میں اس سے۔ اس نے خود طلاق مانگی ہے مجھ سے بار بار۔"

"ابا جی اور چاچا جی کو تو آنے دیں پہلے......" ناجیہ نے روتی ہوئی امتثال کو اس سے چھڑوایا اور اندر کمرے میں لے گئی۔ پیچھے پیچھے سوائے حنان کے سب کمرے میں آ گئے۔

"پلیز بے جی! آپ یقین کریں، میں نے فون ضرور کیا تھا مگر میرا مقصد آپ لوگوں کو بے عزت کرنا نہیں تھا۔" امتثال اندر آ کر بے جی کے گلے لگ گئی۔ دلشاد بیگم، سلطانہ بیگم بھی وہیں آ گئیں۔ ناجیہ جلدی سے گلوکوز گھول کر لے آئی۔

"پر دھیے! تو مجھ سے کہتی تو سہی، ہم لوگ تو زمیندار ہو کر بھی کچہری عدالت سے دور رہتے ہیں۔ ہمارے گھر کی بات باہر نہیں نکلتی، تو نے پتر! اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔" سلطانہ بیگم کو افسوس ہوا تھا مگر بے جی نے اشارے سے انہیں مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ وہ بے جی کے سینے سے لگی یونہی آنسو بہاتی رہی۔ بے جی اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جانے کیا کیا پڑھ کر پھونکتی رہیں۔ آہستہ آہستہ سب کمرے سے باہر چلے گئے۔ حتیٰ کہ وہ بھی تھک کر چپ ہو گئی۔ بے جی نے اسے پانی کا گلاس پکڑایا۔ ٹھنڈا پانی پی کر کچھ سکون ملا۔ وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

"ایک بات سچ سچ بتائے گی امتثال!" بے جی نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لیا۔

"جی بے جی!"

"کیا واقعی تم اس گھر سے جانا چاہتی ہو، تمہیں یہاں کسی سے انسیت نہیں ہوئی؟ محبتوں میں تو بڑی کشش ہوتی ہے بیٹا! یہ تو اپنی طرف خود بخود کھینچتی ہیں۔ میں سمجھتی تھی کہ تم صرف غصہ میں ایسا کرتی ہو، آہستہ آہستہ ہم سب کی محبتیں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دیں گی، تمہارے پاؤں میں زنجیر پڑ جائے گی مگر... تم..." اس نے آنکھیں کھول کر ان کا چہرہ دیکھا۔

"اللہ نے نکاح کے دو بولوں میں عجیب اثر رکھا ہے۔ دو اجنبیوں کو یوں ملاتا ہے کہ باقی سارے رشتے اس ایک رشتے کے سامنے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے دنیا میں سب سے پہلے آدم اور حوا کو ہی اتارا تھا۔ ایک خوبصورت رشتے میں باندھ کر۔ آدم کی بائیں پسلی سے حوا کو پیدا کیا، اس کے دل کے پاس سے تاکہ عورت دل کے قریب رہے۔ نکاح میں بہت طاقت رکھ دی ہے اس نے۔ کہنے کو تو ایک کچا رشتہ ہے، کچی ڈور جو کبھی بھی ٹوٹ سکتی ہے مگر جب دو دلوں میں محبت کا پودا پروان چڑھتا ہے تو یہ ڈور نہیں، آہنی زنجیر ہو جاتی ہے۔ تو بیٹا! کیا تجھے عمید سے محبت نہیں ہوئی اور شوہر تو سر کے تاج کی طرح ہوتا ہے، جس سے عورت سج جاتی ہے اور بیٹا! کوئی کوئی مرد ہی ایسا ہوتا ہے جو بس ایک تک ہی محدود رہتا ہے، اس کی خوشی، اس کے غم سب ایک ہی عورت سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور وہی مرد ہیرا ہوتا ہے اور ہیرے کی قدر کرنی چاہیے۔"

وہ نہیں جانتی تھی کہ "محبت" کیا ہے۔ اس نے صرف اور صرف اپنے باپ کی محبت دیکھی تھی۔ آزاد، خود مختار اور بندشوں سے دور محبت۔ صبح سے شام تک چند جملوں کا تبادلہ ہی اس کی شریانوں میں محبت دوڑا دیتا تھا اور اس محبت کے متعلق وہ سوائے سرد مہری اور ناگواری کے، کوئی اور رنگ جانتی ہی نہ تھی مگر پھر بھی جب وہ بے جی کے پاس سے اٹھی تو اس کے اندر ایک زرد سی دھوپ ڈیرا جمائے مایوسی کے پر پھیلا رہی تھی مگر کہیں سے دو خوشگوار آنکھیں اسے حوصلہ بھی دے رہی تھیں۔ بلا ارادہ ہی اس کے قدم ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف بڑھے تھے اور اس کی انگلیاں امریکن ایمبیسی کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ان قدموں کی چاپ کی وہ پچھلے ایک گھنٹے سے منتظر تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس کی سماعت حساس ہو کر اس شخص کی چاپ کو سن رہی تھی۔ جب اس کا لمبا، مضبوط سراپا اندر داخل ہوا تھا۔

وہ اندھیرے کمرے میں اندر آیا تھا۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس نے جوتے اتار کر شوز ریک میں رکھے پھر واش روم میں چلا گیا تھا۔ دس منٹ بعد کپڑے چینج کر کے وہ دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ جب اس کی نظر آنکھوں پر ہاتھ رکھے سوئی ہوئی امتثال کی طرف اٹھی تھی۔ امتثال آنکھوں پر بازو رکھے معمولی سی جِھری سے اس کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی۔ آج وہ جان بوجھ کر بغیر کمبل کے یونہی سکڑی پڑی ہوئی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کے اس رویّے کے بعد وہ اس کا ویسا ہی خیال رکھتا ہے کہ نہیں کیونکہ بے جی کا ایک جملہ اس کی زندگی کا عنوان بن گیا تھا۔ "تمہیں عمید سے محبت نہیں ہوئی؟"

اور اس ایک جملے نے اسے اس کٹھور شخص کے کتنے ہی انداز یاد کروا دیے تھے اور وہ ادھورے خواب سے جاگنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ ان کہے ادھورے خوابوں کی تشنگی تاعمر دل کو تپتے ریگستان کی طرح جھلسائے رکھتی ہے۔

عمید بیڈ سے نیچے اتر کر اس کے قریب آ رہا تھا۔ اس کی دل کی دھڑکن بڑھ گئی، سردی سے ٹھنڈے پڑے ہاتھ پاؤں مزید ٹھنڈے ہو گئے، مگر وہ اپنی کمپیوٹر ٹیبل پر جا کر کوئی بک سلیکٹ کر کے پانچ منٹ بعد ہی دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ سائیڈ لیمپ جلا کر اس نے کتاب کھول لی تھی۔ اپنے نظر انداز کیے جانے پر اس کا دل بھر آیا۔

عمید نے ایک دفعہ پھر اس کی سمت دیکھا، پھر جھنجلا کر کتاب زور سے بند کی پھر اٹھ کر اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ امتثال کے بہتے آنسو یک لخت رک گئے۔ تھوڑی دیر وہ اس کو دیکھتا رہا، پھر بہت آہستگی سے اس پر کمبل ڈالا، اور دوبارہ جا کر لیٹ گیا۔ کون سا جذبہ تھا، وہ خود نہیں جانتا تھا۔

امتثال کا دل خوشی سے بھر گیا۔

☼ ☼ ☼

بھیگا بھیگا سایہ دسمبر ہے
بھیگی بھیگی سی تنہائی ہے
ان کتابوں میں جی نہیں لگتا
ہم کو مشعال کی یاد آئی ہے

حنان کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی اور مشعال اشفاق احمد کا "طوطا کہانی" لیے مطالعہ میں مصروف تھی۔

"دیکھیں بھابھی! اس قدر ظالم ہے یہ لڑکی!" حنان نے امتثال کو پکارا، جو اسی وقت مشعال کو ڈھونڈتی اندر آئی تھی۔

"کیا ظلم کر دیا۔" وہ مشعال کے برابر میں بیٹھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی جو مشعال کی گود میں رکھی مونگ پھلی بھی کھاتا جا رہا تھا۔

"مجھ سے زیادہ اسے یہ "طوطا" عزیز ہے۔ کب سے کافی کا ایک کپ مانگ رہا ہوں۔" حنان نے جلے دل سے کہا۔

"خوامخواہ جھوٹ مت بولو، ابھی میں نے تمہیں کافی بنا کر دی تھی۔ بھابھی! یہ ایسے ہی تنگ کرتا ہے۔ سردیوں میں کافی، گرمیوں میں لسی۔" مشعال کتاب بند کرتے ہوئے بولی۔

"یہ بھی تو بتاؤ۔ بہار میں پھولوں کے بکے، خزاں میں محبتوں کے خزانے بھی تمہیں دیتا ہوں۔" حنان بے باکی سے بولا —— مشعال کے چہرے پر بڑے خوبصورت رنگ بکھر گئے تھے۔ امتثال نے رشک سے دونوں کو دیکھا۔

"اگر تم یہاں سے نہیں جاؤ گے تو میں چلی جاؤں گی۔ تمہارے کمرے میں فلاسک بھر کر کافی رکھ دی ہے، میرا دماغ مت چاٹو۔" مشعال نے باقاعدہ آنکھیں

نکال کر اسے گھورا اور گود میں رکھی مونگ پھلی کی پلیٹ پٹخی۔

"دیکھ لیں بھابھی! یہ ابھی سے اتنا رعب رکھتی ہے۔ میری امی تو بے چاری اس کی بھولی صورت پر ہی نثار ہو گئی تھیں۔"

"اور تم کس پر نثار ہوئے تھے؟۔" امتثال نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہم تو..."

"پلیز حنان! یہاں سے جاؤ۔" حنان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی مشعال نے گھبرا کر اسے روکا۔

"جو حکم حاکم جناب سر تسلیم خم۔" وہ کورنش بجالاتا، مسکراتا ہوا فوراً ہی کمرے سے نکل گیا۔

"بہت محبت کرتا ہے تم سے مشعال!" امتثال کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔

"پاگل ہے یہ تو..." مشعال کی لاپروائی میں بھی عجیب سی آنچ تھی۔

"کبھی تمہیں ڈانٹتا ہے؟ کبھی کسی بات پر ٹوکتا ہے؟" جانے وہ کیا اگلوانا چاہتی تھی۔

"جی بھابھی! مگر میں اس کے روکنے، ڈانٹنے سے پہلے ہی وہ کام نہیں کرتی جو اسے پسند نہ ہو۔ مجھے پتا ہے، وہ کیا پسند کرتا ہے اور کیا ناپسند اور جو اسے پسند ہوتا ہے، میں اپنا لیتی ہوں اور جو ناپسند اسے چھوڑ دیتی ہوں۔"

"کبھی اس نے بھی تمہارا اتنا خیال کیا، تمہاری پسند ناپسند کا۔؟"

"بالکل کرتا ہے بھابھی! مجھے سگریٹ نہیں پسند، اس نے چھوڑ دی۔ مجھے سفاری سوٹ نہیں پسند، وہ کبھی نہیں پہنتا۔ حتیٰ کہ میں سرسوں کا ساگ نہیں کھاتی، کڑوا ہوتا ہے نا اور وہ پسند ہونے کے باوجود سرسوں کے ساگ کو ہاتھ نہیں لگاتا، چاہے میں کتنا ہی کہوں۔ مجھے آپ کی طرح سیٹ کیے ہوئے بال اچھے لگتے ہیں۔ سب نے اجازت دے دی تھی مگر اس نے کچھ نہیں کہا تھا مگر مجھے پتا تھا، اسے لمبے بال پسند ہیں، اس لیے خراب ہونے کے باوجود نہیں کٹوائے۔

"تمہیں افسوس نہیں ہوا کبھی۔؟" اس نے پوچھا، اتنے میں ناجیہ نے اندر جھانکا اور خود بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"کس بات کا افسوس؟۔ بھابھی! افسوس اور پچھتاوا وہاں ہوتا ہے جہاں آپ دوسرے سے مخلص نہ ہوں۔ وہ بھی تو میری کئی باتیں خود پر جبر کر کے مانتا ہے نا پھر میں کیوں نہ خود کو اس کی پسند میں ڈھال لوں۔ ایک دفعہ پتا ہے کیا ہوا۔ یونیورسٹی فیلو تھا ہمارا، اس نے اپنی والدہ کو یہاں بھیج دیا میرے لیے۔ بس پھر تو حنان کا پارہ اتنا چڑھا کہ مجھے بھی خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ تو بے جی کے پیچھے پڑ گیا اور امی اور چاچی نے فوراً ہی ابا جی اور چاچا جی سے بات کر کے منگنی کر دی۔ ورنہ پہلے تو ہم سب کا خیال عمید بھائی کی شادی یا منگنی کا تھا۔" مشعال مزے سے بتاتے ہوئے پلیٹ میں رکھی مونگ پھلیاں بھی کھاتی جا رہی تھی۔

"عمید کو کوئی لڑکی بھی پسند نہیں آئی؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"عمید بھائی!" ناجیہ زور سے ہنسی۔ "انہیں تو سیدھی سادی، لمبے بالوں اور چادروں سے ڈھکی، چھوئی موئی جیسی لڑکیاں پسند ہیں۔" ناجیہ نے ہنستے ہوئے بتایا۔ حالانکہ مشعال نے اسے روکنا چاہا، مگر وہ اپنی ازلی لاپروائی سے کہہ بیٹھی۔

"پھر وہ مجھ جیسی لڑکی سے شادی کے لیے کیسے راضی ہو گئے؟" اس کے اندر کہیں کچھ ٹوٹا تھا۔

"ہمارے یہاں بڑوں کی بات نہیں ٹالی جاتی، خاص طور پر بے جی کی۔" ناجیہ کی بات سن کر اس کو امریکہ کے کئی اولڈ ہوم یاد آ گئے، جہاں کتنے ہی بوڑھے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا اپنے پیاروں، اپنی اولادوں کے آنے کی گھڑیاں گنتے تھے۔ مشرق واقعی مشرق ہوتا ہے۔ جہاں بڑے بزرگوں کے فیصلوں کو ان کے چھوٹے عزت و تکریم کے ساتھ دل سے نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ نبھانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ چاہے ان کے اپنے کتنے ہی خواب، کتنے ہی ارمان ریزہ ریزہ ہو کر بکھر ہی کیوں نہ جائیں۔

☆ ☆ ☆

ڈھلتی شام کا منظر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ سب لوگ باہر صحن میں چارپائیوں اور تخت پر براجمان تھے اور ناجیہ کے ہاتھ کا بنا ہوا چنے کی دال کا حلوہ پلیٹوں میں لیے کھانے سے زیادہ نقص نکالنے میں مصروف تھے۔ تخت پر حسب معمول بے جی تسبیح لیے سب کو مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے پاس ہی امتثال بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ دائیں طرف چارپائی پر مبین احمد اور مشتاق احمد بیٹھے تھے، جبکہ اس سے کچھ فاصلے پر دلشاد بیگم اور سلطانہ بیگم سامنے چوکی پر بیٹھی تھیں۔ بڑے بڑے دو موڑھوں پر ناجیہ اور عمید بیٹھے تھے۔ ساتھ ہی مشعال اور حنان آمنے سامنے کھڑے ناجیہ پر کمنٹس دے رہے تھے جبکہ عمید ہاتھ میں پلیٹ لیے سر جھکائے کسی سوچ میں گم تھا۔

"عمید پتر!" بے جی کی آواز پر وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"شہر جا کر امتثال کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ لے آؤ، بلکہ اسے ہی لے جاؤ۔" اچانک ہی بے جی نے انوکھی فرمائش کر دی۔

عمید نے لائٹ گرین اسکرٹ پہنے سرخ کشمیری شال اوڑھے انگلیاں مسلتی امتثال کو دیکھا، جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملنے پر اس نے دوبارہ سر جھکا لیا۔

"بے جی! میرا اپائنمنٹ لیٹر آگیا ہے، مجھے کراچی میں چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ کی جاب کی آفر ہوئی ہے۔ رہائش وغیرہ وہیں ہوگی۔" بہت ٹھہرے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے عمید نے سب کو حیران کر دیا۔

"پہلے تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا عمید!" مبین احمد کو شاک لگا تھا۔ شاک میں تو وہ خود بھی تھی۔

"بہت پہلے انٹرویو دیا تھا۔ مجھے علم نہ تھا کہ کوئی مثبت جواب آئے گا، اب آیا ہے تو..." عمید وضاحت دینے اور نہ دینے کے درمیان معلق تھا۔

"امتثال بھی جائے گی تمہارے ساتھ؟" بے جی نے استفسار کیا۔ اس استفسار پر حسب توقع عمید کی گردن نفی میں ہلی۔

"مگر عمید پتر! جہاں گھر والا ہوتا ہے، وہیں اس کی..." دلشاد بیگم نے کچھ پریشانی کے عالم میں بیٹے سے کچھ کہنا چاہا، مگر اس نے بات کاٹ دی۔

"وہاں فیملی کی رہائش کا بندوبست نہیں ہے۔ میں نے فائق چاچا سے فون پر بات کی ہے، وہ آج کل میں آجائیں گے تو "یہ" کچھ عرصہ وہاں رہ آئیں گی۔" اس نے امتثال کی طرف اشارہ کر کے مزید معلومات فراہم کیں۔

"ڈیڈ آئیں گے؟۔" سر جھکائے بیٹھی امتثال یوں بولی جیسے کوئی انہونی۔ بات ہو مگر وہ ان سنی کرتا لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلا گیا۔ امتثال کو یوں لگا جیسے اس کے دل کو کچھ ہوا ہے۔ اس نے گھبرا کر سب کی طرف دیکھا۔ سب ہی یوں خاموش تھے جیسے جادو کی چھڑی کے زیر اثر ہوں۔ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے سب اٹھ کر ادھر ادھر ہو گئے۔ صرف وہ اور بے جی تخت پر بیٹھے رہ گئے۔

"میں جانتی ہوں، وہ اب یہاں نہیں آئے گا۔ وہ جو فیصلہ کر لیتا ہے پھر کسی کی نہیں مانتا۔ مگر پتر! تو اگر چاہے تو وہ رک جائے گا۔ محبت میں بہت طاقت ہے بیٹا! تو بیوی ہے اس کی، اگر تو چاہے تو..."

بے جی کے ہونٹ سرگوشی کے انداز میں ہل رہے تھے، مگر امتثال کی حساس سماعت ایک ایک لفظ اپنے اندر جذب کر رہی تھی پھر بے جی نے وہیں تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ وہ یونہی کتنی دیر بیٹھی رہی اور پھر آہستگی سے چلتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ کمرے کے دروازے پر لمحہ بھر رکی اور پھر فوراً اندر چلی آئی۔ بیڈ پر ایک چھوٹا سا براؤن اٹیچی کیس رکھا تھا۔ عمید وارڈروب کھولے چیزیں نکال رہا تھا۔ ایک

پل کو اس کی طرف دیکھا اور پھر کپڑوں کے ڈھیر کو بیڈ پر رکھنے لگا۔ وہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ عمید نے واش روم جا کر اپنا ٹوتھ برش، تولیہ اور شیونگ کا سامان بھی بیڈ پر رکھا پھر اٹیچی کیس کھول کر اس میں چیزیں رکھنے لگا۔ اس کے سانولے بالوں سے بھرے مضبوط ہاتھ فولڈ کی ہوئی آستین سے باہر تھے۔ اس کے دل نے ایکدم فریاد شروع کر دی۔ پتا نہیں کیوں اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بہت قیمتی چیز کھونے جا رہی ہے۔

محبتیں اپنا آپ کیسے اور کب منواتی ہیں، اس کا احساس اسے ابھی ابھی اور اسی لمحے ہوا تھا۔ وہ جو یہاں سے راہ فرار ڈھونڈ رہی تھی۔ ایکدم خود کو یہاں کی زنجیروں میں جکڑا خوش اور مطمئن محسوس کرنے لگی۔ ان متحرک مضبوط ہاتھوں میں خود کو محفوظ سمجھنے لگی اور خوابوں پر تو کسی کی اجارہ داری نہیں، سج سنور کر دل میں آ بیٹھتے ہیں۔

"فائق چاچا کو میں نے فون کر دیا تھا، وہ تمہیں لے جائیں گے۔ میں نے انہیں سمجھا دیا ہے، وہ تمہیں امریکہ لے جانے پر راضی ہو گئے ہیں۔ اگر تم کوئی فیصلہ کر لو تو مجھے انفارم کر دینا، میں تمہارا ہر فیصلہ قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

امتثال کو لگا جیسے اچانک ہی اس کے اردگرد کی حفاظتی زنجیریں ٹوٹ کر گر گئی ہوں اور وہ کڑی دھوپ میں بے سائبان کھڑی ہو۔

"میرا فیصلہ آپ منظور کر لیں گے؟" آنکھوں میں کچھ چبھنے لگا۔ کوئی خواب آنکھوں کی دہلیز پر آ بیٹھا تھا۔

"ہاں، مجھے تمہارا فیصلہ بہت پہلے منظور کر لینا چاہیے تھا۔" عمید نے بھاری اٹیچی نیچے رکھی اور خود بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"میں آپ کے آئیڈیل سے قطعی میل نہیں رکھتی؟" حلق میں بھی کچھ اٹکنے لگا تھا۔

"ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے آئیڈیل سے میل نہیں کھاتے۔" آنکھیں اور حلق آہستہ آہستہ نم ہونے لگے۔

"انسان خود کو بدلنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے عمید! آئیڈیل بنانے سے زیادہ بننا اچھا نہیں ہے؟"

اس کی بات پر عمید نے اس کی طرف بغور دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اسے خاصے مختلف لگے تھے۔ کچھ گھبرائے، کچھ کھو دینے کا خوف لیے، سب سے زیادہ حیران کن اس کی پلکوں کا لرزنا اور براؤن آنکھوں میں سرخی اور ملال کے ساتھ ساتھ عجیب سا جذبہ تھا جسے وہ کوئی نام نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کے اس قدر توجہ سے دیکھنے پر اس نے اپنی پلکیں جھکا لیں۔

"آپ چاہتے ہیں کہ میں جھک جاؤں۔؟" جھکے سر، لرزتی پلکوں کے ساتھ اس کے ہونٹ کپکپائے تھے۔ عمید نے لمبا سا سانس کھینچا۔

"میں کسی کو بھی جھکانا نہیں چاہتا۔ سو جاؤ، رات ہو گئی ہے۔" اس نے تکیہ صحیح کیا اور سر رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ یونہی کھڑی رہی۔ کتنی دیر وہ منتظر رہا مگر وہ یونہی ساکت تھی۔ اس نے دوبارہ اس کی سمت دیکھا اور پھر اٹھ بیٹھا۔

"اگر میں پڑھا لکھا نہ ہوتا، میری فیملی غریب ہوتی، تمہیں یہاں آزادی نہ ہوتی، جب بھی تمہارا فیصلہ یہی ہوتا۔؟"

"پتا نہیں، مگر بے جی کہتی ہیں، محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے اور نکاح کے بول یوں تو کچے دھاگے جیسے ہوتے ہیں مگر محبت....." وہ ٹرانس کی کیفیت میں جانے کیا کہتی کہ اس نے بات کاٹ دی۔

"تمہیں کس سے محبت ہوئی ہے جو تم اس پینڈو، اس بیک ورڈ شخص کے ساتھ ایک جاہلانہ ماحول ماحول میں رہنا پسند کر رہی ہو۔"

اور بس یہاں آ کر وہ ہار گئی۔ جانے کہاں سے انا، غیرت، خودداری کی مضبوط بڑی بڑی اسی شخص جیسی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ وہ اتنا بے وقوف اور انجان تو نہ تھا کہ کچھ سمجھ نہ پاتا پھر اس کے لبوں سے ہی کیوں سننا چاہتا تھا۔ وہی بقول سارہ مما کے ایشائی مردوں کی

طرح اپنی انا کا پرچم سربلند رکھنا اور خود کو مضبوط اور بڑا غیرت مند ظاہر کرنا۔

امتثال نے اس کے طنز کو بڑے صبر سے جھیلا اور چند قدموں کا فیصلہ طے کر کے۔ ہمیشہ کی طرح کارپٹ پر رکھے تکیہ اور کمبل کے پاس بیٹھ گئی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے لیٹ کر سر تک کمبل اوڑھ لیا مگر اس کی آنکھوں سے کوئی سیال بہنے لگا تھا۔

وہ تحیر سے اسے دیکھنے لگا۔ اتنا سب کچھ بولنے کے بعد یوں خاموشی اس سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ لمحے انتظار کیا اور پھر اٹھ کر لائٹ آف کی اور خود بھی لیٹ گیا۔

کہتے ہیں محبت بڑی خاموشی سے، آہستگی کے ساتھ نامحسوس طریقے سے دل پر اس طرح قبضہ جماتی ہے کہ فرار مشکل ہو جاتا ہے۔ جانے کب وہ کٹھور شخص آہستہ آہستہ اس کے نازک دل پر اپنی محبت کے قدم اس قدر مضبوطی سے جما چکا تھا کہ وہ سوائے خود کو اذیت دینے اور جھنجلانے کے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اور شیکسپیئر کتنا سچ کہتا ہے کہ محبت آنکھوں سے نہیں، دل سے دیکھتی ہے، اسی لیے محبت کے دیوتا کو اندھا بتایا گیا ہے۔ اسی لیے شاید وہ اس کا اپنا آئیڈیل نہ ہوتے ہوئے بھی، اس کی عادات سے نالاں ہوتے ہوئے بھی وہ اس کی محبت کے شکنجے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ وہ خود بھی اس جذبے سے قطعی بے بہرہ تھا، اس کی زندگی میں لمبی لمبی ڈگریاں اور زمین کی محبت بستی تھی۔ اس کے لیے گھر والے ہی سب کچھ تھے۔ اس کی محبت کا دائرہ ان ہی لوگوں تک محدود تھا۔

مگر کبھی کبھی ہوتا ہے نا کہ کسی کے خواب کی بے نام سی آہٹ دبے پاؤں در آتی ہے اور کوئی لاتعلق سا تعلق، کوئی انجانا سا خیال خواہشوں کی دہلیز پر آ کر بیٹھ جاتا ہے۔

اسے بھی ایسا ہی لگا تھا۔ جب اس نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس سے بے نیازی میں لپٹے ہوئے تعلق کو اس نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد دیرینہ اور مضبوط تعلق میں بدل لیا تھا۔ اس نرم و نازک لڑکی کے ناروا سلوک اور عادات کے باوجود اس نے کبھی اس سے علیحدگی کا نہیں سوچا تھا۔

محبتوں پر بند باندھنا واقعی دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ وہ کب اس لڑکی کا اسیر ہوا تھا، اسے خود خبر نہیں ہوئی تھی۔ شاید بے جی ٹھیک کہتی ہیں کہ نکاح کے بول میں بڑی طاقت ہے۔ یہ رشتہ اللہ کو حاضر ناظر جان کر کیا جاتا ہے، اس لیے دل میں وسعت بھی خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

اور یہ لڑکی جو آہستہ آہستہ خود بھی بدل گئی، اور اس کو بھی بدل دیا۔ کیا وہ اب اس کے بغیر رہ پاتا۔

وہ خود نہیں چاہتا تھا کہ کسی لمحے کا اسیر ہو کر وہ خود سے ہار جائے۔ ایک ایسی لڑکی کو زبردستی اپنے ساتھ باندھے رکھے جو اس کو ناپسند کرتی ہو مگر اب اس کی مبہم گفتگو، اس کی نم آنکھیں، اس کا بجھتا چہرہ وہ ان سب سے نظریں چراتے ہوئے بھی خود کو ٹوٹتا، بکھرتا محسوس کر رہا تھا۔

چاند کی دودھیا روشنی کھلی کھڑکی سے براہ راست اندر آ رہی تھی۔ اس نے چاند کی جانب کروٹ لی۔ نظریں بے اختیار سر تک کمبل تانے وجود پر پڑیں جو دھیرے دھیرے ہل رہا تھا۔ عمید بے ساختہ اٹھ کر اس کے پاس آیا۔ ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔

اور کہتے ہیں، محبت لمحاتی فیصلہ ہوتی ہے جو تمام عمر پر محیط ہو جاتی ہے اور وہ، عمید مبین احمد بھی اس لمحے کا اسیر ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ بے ساختہ ہی کمبل کی طرف بڑھے اور دوسرے ہی لمحے روتی بلکتی آنسوؤں سے بھری آنکھیں حیرت سے کھولے امتثال اسے دیکھ رہی تھی۔

"رو کیوں رہی ہو؟" عمید کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ امتثال ڈھنگ سے حیران بھی نہ پائی۔

"ڈیڈی یاد آرہے ہیں۔" بالآخر اس نے جواب دیا۔ اس کی خوبصورت چمکتی ہوئی آنکھیں کم روشنی میں بھی نظر آرہی تھیں۔

"کل یا پرسوں آجائیں گے۔"

"اطلاع کا شکریہ، آپ اپنی نیند خراب نہیں کریں۔" اس نے جھٹکے سے کمبل چھڑانا چاہا۔

"چلو، صلح کرلیں۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

وہ وہیں ساکت رہ گئی۔ کچھ دیر وہ اس کی سرخ حیران آنکھوں کو دیکھتا رہا پھر دھیرے سے بولا۔

"امتثال! اٹھو اور میری بات سنو۔" عمید کی بات سن کر وہ ہولے سے اٹھ کر اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

"تم نے کہا تھا ناکہ آئیڈیل بنانے کے بجائے آئیڈیل بننا چاہیے۔ میں جانتا ہوں، میں تمہارا آئیڈیل نہیں ہوں پھر بھی تم مجھ تک کیوں رسائی چاہتی ہو، کسی دباؤ کے تحت، بے جی کی شفقت سے مجبور ہو کر یا فائق چاچا کی دھمکی کی وجہ سے۔۔؟"

"آپ جانتے ہیں، مجھ پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں۔" اب کیا بتاتی کہ اپنا دل ہی بغاوت پر آمادہ تھا۔

"تو پھر اپنی مرضی بتاؤ؟۔" اس کی آنکھوں میں شرارت کے رنگ جھلملائے۔

"ضروری ہے کہ میں خود کہوں۔" وہ چڑ گئی۔ نظریں جھکائے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"چلو میں کہہ دیتا ہوں کہ امتثال عمید احمد تم مجھے اپنی تمام تر بدتمیزیوں اور زبان درازی کے ساتھ منظور ہو۔" اس کے سنجیدہ طرز تخاطب پر امتثال نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔

"میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟" دل میں آیا سوال لبوں سے بھی ادا ہو گیا۔

"ضروری تو نہیں کہ میں خود کہوں۔" جواب لوٹایا گیا۔ ساتھ ہی گھنی مونچھوں تلے لب بھی مسکرا دیے۔ وہ خاموش رہی۔

"میں کل چلا جاؤں گا، اگر تم چاہو تو مجھے روک سکتی ہو۔" فرمائش کی گئی۔

"میں کون ہوتی ہوں روکنے والی۔" وہ خفگی سے بولی۔

"میری بیوی بلکہ میری جان۔" اس سنجیدہ کٹھور شخص کا انداز گفتگو حقیقتاً اسے حیران کر رہا تھا۔

"او کے۔ اٹھو، بے جی کے پاس چلتے ہیں۔ انہیں ساری بات بتا کر اپنے ولیمے کی تاریخ دے آتے ہیں۔ ویسے بھی فائق چاچا آنے والے ہیں۔"

"اتنی رات گئے۔؟" امتثال نے گھڑی پر نظر ڈالی جو تین بجا رہی تھی۔

"اچھا، تو چلو فیوچر پلاننگ کرلیتے ہیں۔ سب سے پہلے تو مجھے تمہارا یہ خونخوار رویّہ پسند نہیں، دوسرے تمہارا مغربی لباس، تیسرے تمہاری زبان، چوتھا۔۔۔"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں ہی نہیں پسند۔" اتنی لمبی چوڑی چارج شیٹ پر وہ بلبلا گئی۔ وہ پہلی دفعہ قہقہہ بار ہوا۔

"کبھی مجھے اپنی پسند کے کپڑے لاکرلا کر دیے، کبھی اپنے فرائض ادا کیے۔" اسے بھی کئی شکایتیں یاد آگئیں۔

"سنو!" عمید اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ اس کا لہجہ گمبھیر تھا اور چہرہ اپنائیت کے رنگوں سے سج گیا تھا۔

"ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے خود کو تھوڑا تھوڑا بدلیں گے۔ تم بے شک وہ سب کچھ نہ کرنا جو مجھے پسند ہے مگر تھوڑا سا کمپرومائز کرلینا اور میں خود کو تمہارے مطابق ڈھالنے کی کوشش کروں گا۔ اور بقول تمہارے، محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور یہ بات میں مانتا ہوں کہ محبت نے مجھ جیسے شخص کو اچانک ہی بدل دیا اور تم جیسی لڑکی کو بھی۔ چلو، پچھلی ساری باتوں کو بھول کر نئی زندگی کی ابتدا کرتے ہیں۔"

اس کی بوجھل آواز امتثال کے دل میں اتر رہی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے ہاتھ پر رکھے اس کے مضبوط ہاتھوں پر دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔

★

کاشفہ حسین

کانٹا لگا

"کیسی ہے۔" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

سب کے سب ذوق و شوق سے مچھلی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ہم آئے تو محض سیر کے لیے تھے مگر ہائکنگ کے دوران میٹھے پانی کی ایک چھوٹی سی مچھلی کی اس قدر تعریف سنی کہ سب ہی لوگ کھانے پر مُصر ہو گئے اور یوں ہم پاس ہی کے گاؤں میں بنے ایک مچھیرے کے گھر پہنچ گئے، جہاں اس نے ہمیں مچھلی کھلانے کا بندوبست کیا تھا۔

"خدا کی قدرت دیکھو، چھوٹی سی مچھلی ہے اور اتنے کانٹے کی۔" یوسف نے ذوق و شوق سے کھاتے ہوئے کہا پھر مجھے دیکھ کر حیرت سے بولے۔

"تم کیوں نہیں کھا رہیں؟۔" میں نے ہچکچا کر کہا۔

"اس میں کانٹے بہت زیادہ ہیں، باریک باریک کانٹے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے مچھلی کے گوشت میں گڑے ہوئے ہیں۔"

"ارے کچھ نہیں ہوتا، اس کو خاص ایسے طریقے سے پکایا جاتا ہے کہ کانٹے بھی آسانی سے چبا لیے جاتے ہیں۔" سب کے پیہم اصرار پر میں نے تھوڑی سی مچھلی چکھی اور مجھے بھی مزا آیا اور میں نے کھانا شروع کر دیا۔ کئی مرتبہ ایسا محسوس ہوا جیسے کانٹے حلق سے نیچے اتر رہے ہوں مگر ہر مرتبہ خیریت ہی رہی۔ یوسف کہنے لگے۔

"اللہ تعالیٰ نے انسان کا نظام ہضم ایسا بنایا ہے کہ ہر چیز ہضم ہو جاتی ہے۔ کانٹے تو معمولی چیز ہیں۔" یہ ارشاد سن کر میں اور بے فکری سے کھانے لگی اور اسی دوران مجھے محسوس ہوا کہ مجھے کانٹا چبھا ہے۔ کچھ موہوم سا احساس تھا۔ زبان کے نیچے انتہائی بائیں جانب۔ میں نے ایک دو مرتبہ کھنکار کر گلا صاف کیا پھر گلاس بھر کر پانی پیا۔ اس امید پر کہ جو بھی کچھ ہے، وہ نکل جائے پانی کے ساتھ اور اتنی دیر محسوس کرنے پر اندازہ ہوا کہ وہ کوئی بہت ہی باریک کانٹا ہے۔ جو زبان کے نیچے کہیں کھڑی پوزیشن میں پیوست ہے اور جب زبان کسی خاص زاویے پر ہلتی ہے تو اذیت ناک قسم کا درد ہوتا ہے۔